اسبابِ زوالِ امّت

علامہ شکیب ارسلان

اسبابِ زوالِ امت

امیر البیان علامہ امیر شکیب ارسلان

اردو ترجمہ

ڈاکٹر احسان بک سامی حقی

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پوسٹ بکس نمبر ۱۴۸۵، اسلام آباد

نام کتاب	:	اسبابِ زوالِ امت
مصنف	:	علامہ امیر شکیب ارسلان
مترجم	:	ڈاکٹر احسان بک سامی حقی
نگران طباعت	:	حیران خٹک
سرورق	:	سید مبین الرحمن
طابع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی پریس' اسلام آباد
اشاعت چہارم	:	۲۰۱۲ء
تعداد اشاعت	:	۲۰۰۰
قیمت	:	۶۰/- روپے

ISBN. 969-556-015-6

ناشر

دعوۃ اکیڈمی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

پیش لفظ

ہماری یہ کائنات مالک حقیقی کی حکیمانہ تخلیق ہے' یہاں کے چپہ چپہ' ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ پر اس کی حکمت کی چھاپ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے اور دانا کا کوئی عمل دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سو فیصد مشیت الٰہی کے مطابق ہوتا ہے اور مشیت الٰہی سراپا حکمت اور سراپا دانائی ہے۔ یوں تو اس حکمت اور دانائی کے مظاہر اور نمونے ان گنت ہیں لیکن شاید سب سے بڑا مظہر اور سب سے بھرپور نمونہ وہ کڑا ضابطہ اور کھرا اصول ہے جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کائنات کے لیے ایسے ضوابط اور اصول وضع کر دیئے ہیں جن سے کائنات کا ذرہ بھی سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔ ان کائناتی ضابطوں کو قرآن نے سنت اللہ اور فطرۃ اللہ کا نام دیا ہے اور بار بار یہ بتایا ہے کہ اللہ کی سنتوں (عادتوں اور طریقوں) میں نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ رد و بدل' یہ ضابطے نہ منسوخ ہوتے ہیں' نہ ملتوی۔ یہ ضابطے روز ازل سے اسی طرح کارفرما ہیں جس طرح آج ہمیں کارفرما نظر آ رہے ہیں۔ یہ کائناتی ضابطے افراد سے لے کر قوموں' ملکوں' تہذیبوں اور سلطنتوں تک کے عروج و زوال سے بحث کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کائنات کی تخلیق' مقصد تخلیق' اس کے مختلف نظاموں اور سیاروں کے آغاز و انجام کے بارہ میں بھی خالق کائنات نے اپنے اصول طے کر دیئے ہیں جن کی ان تمام مخلوقات کو پیروی کرنی پڑتی ہے۔

قوموں کی ترقی اور بقاء کن اصولوں کے تحت ہوتی ہے' ملکوں کا عروج و زوال کیسے ہوتا ہے' تہذیبیں کیسے بنتی اور بگڑتی ہیں' سلطنتوں اور حکمرانوں پر کب اور کیسے نشیب و فراز طاری ہوتا ہے' ان سب سوالوں کا جواب اللہ رب العزت کی سنت میں پنہاں ہے اور تاریخ دراصل اسی سنت اللہ کے مطالعہ کا نام ہے۔

امتوں کے عروج و زوال کی یہ ساری داستان تاریخ کے صفحات پر بھی بکھری ہوئی ہے' جن کا تنقیدی مطالعہ کر کے سنت اللہ کے اصول دریافت کیے جا سکتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی ایسے اشارے جا بجا موجوذ ہیں جن کو سامنے رکھ کر عروج و زوال امم کے اسباب و علل مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں امم سابقہ کے واقعات بیان کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کی جھلک دکھانے میں یہی مقصد کارفرما معلوم ہوتا ہے۔

مسلم مفکرین میں جن حضرات نے اس موضوع کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ان کو دوسری قوموں کے عروج و زوال کے مطالعہ کا موقعہ تو خوب ملا لیکن مسلمانوں کا انہوں نے صرف عروج ہی دیکھا تھا۔ مسلمانوں کا زوال دیکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ان پر نوبت ہی نہیں آنے دی۔ اس کے برعکس گذشتہ ڈیڑھ دو سو سال کے عرصہ میں جن مسلمان مفکرین نے اس موضوع پر غور و فکر کیا ان کے سامنے سب سے بنیادی اور اہم سوال عروج امت کا نہیں زوال امت کا تھا۔ اس سلسلہ کی ایک مقبول تحریر جو آج سے ساٹھ ستر سال قبل دنیائے اسلام کے نامور ادیب اور مفکر امیر شکیب ارسلان کے جادو بیان قلم سے نکلی تھی' اس وقت پیش خدمت ہے۔

امیر شکیب ارسلان اصلاً" شام کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کی عمر کا بیشتر حصہ دنیا کی سیاحی میں گذرا۔ انہوں نے اپنے عمیق مطالعہ' طویل مشاہدہ اور پے در پے سفروں کے ذریعہ سے دنیائے اسلام کے حالات و واقعات سے گہری واقفیت بہم پہنچائی۔ پھر اس واقفیت (جس میں بہت کم لوگ ماضی قریب میں ان کے شریک و سہیم ہو سکے) اور اپنے زبردست زور بیان (جس کی وجہ سے ان کو عرب ادباء امیرالبیان کے لقب سے یاد کرتے ہیں) سے کام لے کر انہوں نے اپنے قلم سے دنیائے اسلام کی وہ خدمت کی جس نے ان کو موقظ الشرق علامہ جمال الدین افغانی اور حکیم الامت علامہ اقبال کی صف میں لا کھڑا کیا۔ حاضر العالم الاسلامی کے نام سے ان کے مقالات کی چار ضخیم جلدیں ان کے ملی درد' جذبہ بین الاسلامیت اور دنیائے اسلام کے

مسائل کے صحیح ادراک کی شاہد عادل ہیں۔ امیر شکیب ارسلان کی اس ضخیم کتاب نے ان کو بہت جلد دنیائے اسلام کی محبوب و مقبول شخصیت بنا دیا اور دنیائے اسلام کی نظریں مختلف علمی اور ملی معاملات میں رہنمائی کے لیے ان کی طرف اٹھنے لگیں۔

موجودہ عیسوی صدی کا چوتھا عشرہ امیر شکیب ارسلان کے لیے مصائب و مشکلات اور آزمائشوں کا زمانہ تھا۔ ان کو فرانسیسی استعمار نے ان کے اپنے وطن سے ملک بدر کر ڈالا تھا اور وہ جلا وطنی کے عالم میں یورپ وغیرہ کی سیاحت میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ انہی دنوں جاوا (انڈونیشیا) کے شیخ الاسلام مولانا محمد بسیونی عمران نے دنیائے عرب کے مشہور مفسر، مفکر اور دانشور علامہ سید رشید رضا سے ایک سوال کیا اور اصرار کیا کہ اس کا جواب اپنے شہرہ آفاق رسالہ المنار میں شائع کریں۔ علامہ رشید رضا نے یہ سوال اپنے عزیز و محترم دوست امیر شکیب ارسلان کو بھیج دیا۔ سوال کا دیکھنا تھا کہ امیر کی حساس طبیعت نے اثر لیا اور ان کا اشہب قلم رواں ہو گیا۔ امیر کا جواب ایک مکمل مقالہ کی شکل میں تھا جو بہت جلد کتابی صورت میں بھی شائع ہو کر دنیائے اسلام میں مقبول و معروف ہوا۔ سوال یہ تھا کہ:

> قرآن مجید کے اس وعدہ کے باوجود کہ اہل ایمان دنیا میں باعزت رہیں گے آج کل کے مسلمان ہر جگہ مجبور و مقہور کیوں ہیں؟

اسی زمانہ میں پنجاب کی مشہور و معروف سیرت کمیٹی، پٹی ضلع لاہور نے اس مقالہ کا اردو ترجمہ "اسباب زوال امت" کے نام سے شائع کیا تھا جس کے بہت تھوڑے عرصے میں تین ایڈیشن نکلے۔ ترجمہ کے بارے میں ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ ترجمہ بھی اصل کتاب کی طرح شام ہی کے ایک نامور عالم اور محقق ڈاکٹر احسان بک سامی حقی کے قلم سے ہے۔ ڈاکٹر حقی اصلاً دمشق کے رہنے والے ہیں۔ ۱۹۰۴ء میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ وطن میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد سوئٹزر لینڈ کی لوزاں یونیورسٹی سے ادبیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور دنیائے اسلام کی سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے حریت پسندانہ خیالات اور بین الاسلامی

سرگرمیوں کی وجہ سے فرانسیسی استعمار نے ان کے شام میں داخلہ پر پابندی لگا دی تھی۔ اس لیے وطن تو جا نہ سکتے تھے، پھرتے پھراتے ہندوستان پہنچ گئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ عربی میں لیکچرار ہو گئے۔ مسلم یونیورسٹی کا پان اسلامی ماحول اور ڈاکٹر احسان حقی کی بے تاب روح! دونوں نے ایک دوسرے کو خوب متاثر کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے وہاں اردو اور فارسی میں مہارت پیدا کی، برصغیر کی سیاحت کی، یہاں کے اہل علم و فضل سے تعلقات قائم کیے اور برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ اور مسائل و معاملات سے گہری واقفیت حاصل کی۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب عرب دنیا کے غالباً واحد دانشور ہیں جو پاکستان کے مسلمانوں، پاکستان کے قائدین، تحریک پاکستان، مسائل پاکستان اور ہندوؤں کی مسلم دشمنی سے براہ راست ذاتی واقفیت رکھتے ہیں۔ عرب دنیا میں یوں تو اردو جاننے والے اہل علم خال خال مل جاتے ہیں لیکن اردو میں شعر کہنے اور صاحب تصنیف ہونے کا شرف حقی صاحب کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر حقی کے علامہ اقبال سے بڑے قریبی اور نیازمندانہ تعلقات رہے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں جب علامہ نے ادارہ معارف اسلامیہ کی تشکیل کی تو حقی صاحب اس کے بنیادی ارکان میں شامل تھے۔

"اسباب زوال امت" کا ترجمہ رواں اور بامحاورہ ہے، تاہم کہیں کہیں عربیت کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ دعوۃ اکیڈمی اس نادر کتاب کو دوبارہ قارئین کے سامنے پیش کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

ڈائریکٹر جنرل
دعوۃ اکیڈمی

زوال امت کا پہلا سبب

جانی اور مالی جہاد سے پہلو تہی

مسلمانان عالم کی حالت

مسلمانوں کا زوال اور کمزوری' صرف جاوا اور ملایا کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے' وہ مشرقی ہوں یا مغربی' ایک امر عام ہے اور اگر اس میں کچھ فرق ہے تو کمی بیشی کا فرق ہے یعنی کہیں بہت زیادہ ہے اور کہیں بہت کم ہے۔ کہیں سخت خطرناک ہے اور کہیں کم خطرناک ہے۔ مختصراً" یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس صدی کے مسلمانوں کی حالت' دینی اور دنیوی' مادی اور روحانی کسی لحاظ سے اطمینان بخش نہیں ہے۔

ہم نے عام طور پر یہ دیکھا ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم جہاں بھی ساتھ ساتھ آباد ہیں' اغیار کے مقابلے میں مسلمان ہر لحاظ سے پیچھے ہیں۔ میں اس زمانہ کے مسلمانوں میں سے کوئی قوم ایسی نہیں پاتا جو اغیار کے ساتھ ہو اور اغیار کے ہم پلہ ہو' سوائے بوسنیا کے مسلمانوں کے جو اپنے کیتھولک اور آرتھوڈکس عیسائی ہم وطنوں سے کسی لحاظ سے بھی کم نہیں ہیں بلکہ دونوں سے بالا تر ہیں☆ اسی طرح روس کے

☆ مغربی دنیا کی متعصبانہ روش' تشدد پسندی اور مسلمانوں کی نسل کشی کی مہم کے بعد اب بوسنیا کی بھی یہ استثنائی کیفیت باقی نہیں رہی (مدون اردو)۔

مسلمان' جنگ عظیم سے پہلے وہاں کے عیسائیوں سے بہتر تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ باوجود یہ کہ چینی قوم بہت پسماندہ ہے تاہم وہاں کے مسلمانوں کی حالت بدھوں سے بہتر ہے' بشرطیکہ ان کی اب تک وہی حالت ہو جو جنگ سے قبل تھی۔ ان ملکوں کے علاوہ جہاں بھی دیکھو' مسلمانوں کی حالت اپنے ہم وطنوں سے بدرجہا پست نظر آتی ہے۔

ہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنگاپور کے مسلمان' وہاں کی دیگر اقوام سے حتیٰ کہ خود انگریزوں سے بھی زیادہ دولت مند ہیں۔ مجھے اس امر کا کافی علم نہیں ہے تاہم اگر یہ سچ بھی ہو تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ہمارے دعویٰ میں کوئی خاص فرق پیدا کر سکے۔

کچھ شک نہیں کہ آج کل عالم اسلام میں کئی مادی اور روحانی تحریکات موجود ہیں اور ہر جگہ ایک قابل قدر بیداری نظر آ رہی ہے۔ یہ بیداری ایسی ہے' جسے دنیائے فرنگ خوب اچھی طرح سمجھ رہی ہے بلکہ گھبرا رہی ہے۔ اور اس کی یہ گھبراہٹ اہل یورپ کی تصانیف سے عیاں ہے' لیکن اس تحریک بیداری نے ابھی تک مسلمانوں کو اس قابل نہیں بنایا کہ وہ یورپ' امریکہ اور جاپان کے باشندوں کے برابر کہے جا سکیں۔

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی اور ہم پر مسلمانان عالم کا زوال عام ثابت ہو گیا تو ہمیں ان اسباب کو تلاش کرنا چاہیے جن کی موجودگی نے اسلام کو دنیا میں ایک ہزار سال تک سرداری کرنے کا اہل بنا دیا تھا۔ اور جن کی عدم موجودگی نے مسلمانوں کو مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا واحد آقا بنا دینے کے بعد' اب اس قدر ذلیل و خوار کر دیا ہے کہ وہ تمام اقوام عالم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہاں ہم تنزل کے وجوہات کا ذکر کرنے سے پیشتر' ترقی کا ایک بنیادی سبب بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کے گذشتہ عروج کا بنیادی سبب

مسلمانوں کی گذشتہ ترقیوں کا باعث حقیقی' جزیرۃ العرب میں اسلام کا ظاہر ہونا تھا جس نے عربوں کے مختلف فرقوں کو ایک قوم بنا دیا' ان کی وحشیانہ زندگی کو متمدن زندگی سے بدل دیا' سخت دلوں کو نرم بنا دیا اور بت پرستوں کو خدائے واحد کے سامنے جھکا دیا۔ گویا ان کی پہلی روحیں کھینچ لیں اور بالکل نئی روحیں ان کے جسموں میں داخل کر دیں۔ اس اندرونی تبدیلی ہی سے ان میں اس قدر طاقت پیدا ہو گئی کہ وہ عزت و شان' علم و ہنر اور دولت و ثروت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئے اور پچاس سال کے عرصے میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا اگر حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے دوران میں باہمی اختلاف سر نہ اٹھاتے تو مسلمان ضرور تمام دنیا کو فتح کر لیتے۔

مسلمانوں کے پچاس یا ستر سالہ کارنامے جن کی قوت کو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی خونریز لڑائیوں اور بنی امیہ اور ابن زبیر کی ہلاکت خیز جنگوں نے سخت نقصان پہنچایا تھا' تمام دنیا کے مورخوں اور فاتحوں کی عقلوں کو خیرہ کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ یورپ کا فاتح اعظم بونا پارٹ مسلمانوں کی اس اٹھان پر ہمیشہ حیران ہوتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو از سرنو پیدا کیا تھا اور انہیں ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دے کر فرمایا تھا کہ جاؤ' دنیا کو فتح کرو' حکومت کرو اور فائدہ اٹھاؤ۔

اسلام سے پہلے عربوں کی فتوحات اور اخلاق فاضلہ وغیرہ کے متعلق جو کچھ تاریخوں میں ذکر کیا گیا ہے' وہ صحیح ہے اور اس کے آثار بھی اب تک باقی ہیں۔ اس بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ عربوں کا تمدن' دنیا میں اس قدر پرانا ہے کہ لکھنا پڑھنا بھی انہی کے ہاں سے شروع ہوا تھا' تاہم اس امر میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ان کا تمدن اور ان کے کارنامے صرف عرب اور نواح عرب تک محدود تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عربوں پر ایک ایسا زمانہ بھی گذر چکا ہے جب کہ اجنبی

لوگ ان کے گھروں کے اندر آ گھسے تھے اور ان پر اپنی حکومت قائم کر کے انہیں ذلیل کر ڈالا تھا۔ چنانچہ ایک زمانہ میں عجمیوں کا عمان اور حیرہ پر، حبشیوں کا یمن پر، رومیوں کا نواح حجاز اور شام پر قبضہ موجود تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اہل عرب کبھی بھی اسلام سے پہلے نہ تو صحیح معنوں میں خودمختار ہوئے، نہ دور دراز ملکوں میں مشہور ہوئے اور نہ تاریخ عالم کی فاتح اقوام میں شمار کیے گئے۔ مگر اسلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ سب کچھ ہو گیا اور دنیا نے بھی اسے تسلیم کیا۔

آیئے! اب ان وجوہات کی تلاش کریں جو مسلمانوں کے زوال کا باعث ہوئیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ فاتحانہ اوصاف اب بھی مسلمانوں میں موجود ہیں یا نہیں؟ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ میں مسلمانوں کو صرف زبان سے مسلمان کہلانے کے باعث، عمل کیے بغیر دوسری قوموں پر عزت دوں گا تو یقیناً" ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ مومنوں کی وہ عزت کہاں ہے، جس کا خدا نے اعلان کیا تھا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون ۶۳ : ۸)

عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔

اگر خدا تعالیٰ کا وعدہ یہی تھا کہ میں زبان سے مسلمان کہلانے والوں کو عزت دوں گا تو ہمیں مسلمانوں کی ذلت پر یقیناً" تعجب ہونا چاہیے لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ خدا نے یہ وعدہ کیا، نہ خدا اپنے وعدہ سے پھرا، نہ قرآن کریم کے احکام بدلے بلکہ مسلمان خودبخود بدل گئے اور اسی لیے وہ ناکام ہیں۔ خدا نے تو پہلے ہی دن مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی تھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(الرعد ۱۳:۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

اب اگر اس صاف اعلان کے باوجود خدا مسلمانوں کو ذلیل نہ کرتا تو یہ موجب تعجب تھا اور خدا کے عدل و انصاف کے بھی خلاف تھا۔ میں پوچھتا ہوں' کیا یہ اچھی بات ہو گی کہ خدا نا اہل کو عزت دے اور ہل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصلیں پکا دے؟ کوشش کیے بغیر کامیابی عطا فرمائے اور اعمال کے بغیر امداد دے؟ اگر ایسا ہوتا تو تمام لوگ سستی اور کاہلی پر فدا ہو جاتے' اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ دیتے اور بستروں پر ہی لیٹے رہتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ قانون قدرت' جس پر کہ خدا نے تمام کائنات کو قائم کیا ہے' اس کے خلاف ہوتا ہے اور اس کے بعد حق و باطل اور نفع اور نقصان میں کوئی فرق باقی نہ رہتا' مگر یاد رکھیے کہ خدا اس قسم کے ظلم سے پاک ہے۔

اگر خدا کسی انسان کو بغیر کوشش اور محنت کے امداد دیتا تو اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑائیاں کیے بغیر فتح مند کر دیتا اور ظاہری سامانوں کے بغیر دشمنوں پر کامیابی عطا فرماتا' مگر تم جانتے ہو کہ ایسا نہیں ہوا۔ خدا نے انہیں بھی پوری طرح آزمایا تھا اور پھر کامیابی عطا فرمائی تھی' لیکن اس کے خلاف تم ذرا اپنی حالت کو بھی دیکھو' تمہارے پاس خدا کی نعمت کے سو حصے موجود ہوتے ہیں' مگر تم سو میں سے ایک یا دو حصے بھی خدا کی راہ میں نہیں دیتے اور خواہش یہ رکھتے ہو کہ خدا تمہیں بھی وہی عزت اور وہی نصرت عطا کرے جو تمہارے ان باپ داداؤں کو حاصل ہوئی تھی جو سو میں سو' یا کم از کم ستر خدا کی راہ میں قربان کر دیتے تھے۔ یاد رکھو! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا' خدا کبھی ایسا نہیں کرتا۔ یہ اس کے عہد کے خلاف اور عقل اور منطق کے خلاف ہے۔ خدا نے مومنوں کے ساتھ کبھی یہ شرط نہیں باندھی تھی' خدا نے مسلمانوں کے ساتھ کبھی یہ سودا نہیں کیا تھا' خدا کا وعدہ جو کچھ بھی ہے' صرف یہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ
الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ
وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ
بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ

وَذَالِکَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبہ ۹:۱۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے' یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

کیا مسلمان اس وصف میں پورا اترتے ہیں؟ کیا مسلمانوں میں صحابہ کرامؓ کی سی قربانیاں موجود ہیں؟ وہ صحابہؓ جو میدان شہادت میں خود اپنی موت کو تلاش کیا کرتے تھے۔ جب ان کے غازی کفار پر حملہ آور ہوتے تھے تو کہتے تھے "ہم جنت کی خوشبو سونگھ رہے ہیں"۔ نعرہ جنگ کے ساتھ ہی دشمنوں پر اس وقت تک تلوار چلاتے رہتے تھے' جب تک شہید ہوتے ہوئے ان کے منہ سے یہ نہ نکل جاتا تھا کہ آج عید کا دن ہے۔ لیکن آرزوئے شہادت کے باوجود اگر وہ شہید نہ ہو سکتے تو وہ اپنی قوم میں غمزدوں کی طرح واپس لوٹا کرتے تھے۔

مسلمانوں اور فرنگیوں کا مقابلہ

قرآن حکیم نے مسلمانوں سے جانی اور مالی قربانی کا مطالبہ کیا ہے مگر افسوس کہ آج کل کے مسلمانوں میں وہ غیرت باقی نہیں رہی جو ان کے بزرگوں میں موجود تھی۔ اور اس سے بھی زیادہ افسوس یہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں تک نے اسلامی احکام کی پیروی شروع کر دی ہے حالانکہ یہ احکام ان کی کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ اسی جان اور مال کی قربانی کو دیکھو' تم ان کے سپاہیوں کو موت پر گرتے اور سنگین کے زخموں سے سرشار ہوتے دیکھو گے۔ یورپین اقوام نے جنگ عظیم میں اپنی ہستی اور حقوق کے

لیے جو جو قربانیاں دی ہیں' وہ انسان کی عقل سے بالاتر ہیں۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ جرمنوں نے جنگ عظیم میں بیس لاکھ نوجوانوں کو قتل کرایا' فرانسیسیوں نے چوبیس لاکھ کو' انگریزوں نے چھ لاکھ کو اور اطالویوں نے ساڑھے چار لاکھ کو۔ ایثار جان کے بعد مالی قربانی کا درجہ ہے' اس راہ میں اہل یورپ نے جنگ عظیم میں جو روپیہ خرچ کیا' اس کی تعداد حسب ذیل ہے۔

انگریزوں نے تین ارب پونڈ۔ فرانسیسیوں نے دو ارب پونڈ۔ جرمنوں نے تین ارب پونڈ اور اطالویوں نے پچاس کروڑ پونڈ۔ روسیوں نے اپنی دولت کو اس کثرت سے خرچ کیا کہ ان کے ملک پر ہر طرف سے قحط کی مصیبت ٹوٹ پڑی اور پھر اسی قحط نے بالشویکی بغاوت نے جنم لیا۔

اب آپ بتائیے' مسلمانوں کی کسی قوم نے اس قدر قربانیاں دی ہیں؟ عیسائیوں کا حال آپ دیکھ رہے ہیں' وہ اپنی جانوں اور مالوں کو بے شمار اور بے حساب اپنی قوم اور وطن کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ اب اگر اس کے بعد خدا تعالیٰ انہیں یہ عزت و دولت اور شان و شوکت عطا فرماتا ہے اور مسلمانوں کو محروم رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان غریب ہیں اور ان کے پاس اس قدر دولت نہیں کہ وہ اس طرح وسعت کے ساتھ خرچ کر سکیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے زیادہ نہیں مانگتے' ہم ان سے جو کچھ مانگتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ وہ بھی اپنے درجہ اور حیثیت کے مطابق خرچ کریں۔ کیا مسلمانوں میں کوئی ایسی قوم بھی مل سکتی ہے جو اپنی حیثیت کے لحاظ سے عیسائیوں کی طرح خرچ کر رہی ہو؟ عیسائیوں کی مثال گذر چکی ہے۔ ان میں سے بعض قومیں ایسی ہیں' جنہوں نے اپنی تمام قومی دولت کا نصف جنگ عظیم میں خرچ کر ڈالا' مگر مسلمانوں میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے' جس نے قومی یا شخصی حیثیت کا دسواں حصہ بھی قربان کیا ہو۔ مسلمانوں میں ایسا کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ترکوں نے یونانیوں کے بالمقابل اپنی

جانوں اور مالوں کو بے دریغ قربان کیا تو وہ کس طرح کامران ہوئے؟ انہوں نے یونانیوں کو ایسی بڑی شکستیں دیں جو کبھی کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ اہل یورپ نے ترکوں کو ذلیل و خوار کرنا چاہا تھا مگر وہ از سر نو خود مختار ہو گئے۔ ہر مسلمان کو سمجھنا چاہیے کہ ترکوں کو یہ بے مثال کامیابی مفت میں حاصل نہیں ہوئی۔ ان میں سے بعض نے اپنی دولت کا تیسرا حصہ اور بعض نے نصف' جنگ کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب بھی مسلمان اپنے دین کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا کم از کم آج کے اہل یورپ ہی کی صحیح نقل کرتے ہیں تو انہیں ضرور اپنے ان نیک اعمال کا نتیجہ مل جاتا ہے لیکن افسوس ہے کہ آج کل کے اکثر مسلمان صرف ہوائی کھیل کھیل رہے ہیں۔ وہ مجاہدانہ کام کرنے' فدا ہونے' موت پر گرنے اور جان و مال کو خدا کی راہ میں نثار کیے بغیر' مفت میں خدا سے نصرت و توفیق کا مطالبہ کرتے ہیں' حالانکہ خدا خود یہ فرماتا ہے:

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ (الحج ۲۲ : ۴۰)

اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد ۴۷ : ۷)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا

صرف دعائیں کافی نہیں

یہ بات واضح ہے کہ خدا ہمارا محتاج نہیں ہے۔ "خدا کی نصرت" کا معنی صرف یہ ہے کہ بندہ خدا کے احکام کی تعمیل کرے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان تمام دینی احکام پس پشت ڈال کر اور صرف زبانی مسلمان رہتے ہوئے اپنے آپ کو عزت و شوکت کا حقدار قرار دیئے بیٹھے ہیں بلکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کا

عقیدہ ہے کہ صرف زبان سے اسلام کا نام لے دینا یا دعا کر لینا ہی کافی ہو گا' حالانکہ اگر دعا سے جہاد کا کام لیا جا سکتا تو ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ' نبی کریمؐ' صحابہ کرامؓ اور اسلاف امت کی صرف دعائیں قبول کر لیتا اور انہیں جہاد کی اور جام شہادت پینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اگر کامرانی دعاؤں اور امیدوں پر منحصر کر دی جاتی تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور خدا یہ کبھی نہ فرماتا:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۵۳:۳۹)

انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔

اگر کامیابی صرف دعاؤں اور آرزوؤں پر موقوف ہوتی تو قرآن یہ کبھی نہ فرماتا:

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (التوبہ ۹:۱۰۵)

تم عمل کرو' اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب دیکھیں گے کہ تمہارا طرز عمل اب کیا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ مجاہدین سے یہ بھی نہ کہا جاتا:

لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ (التوبہ ۹ : ۹۴)

بہانے نہ کرو' ہم تمہاری کسی بات کا اعتبار نہ کریں گے اللہ نے ہم کو تمہارے حالات بتا دیئے ہیں۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے طرز عمل کو دیکھے گا۔

اور یہ فرمانے کی ضرورت نہیں تھی کہ :

اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ (آل عمران ۳ : ۱۹۵)

میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔

مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ محض نماز' روزہ اور ایسے ہی چند دیگر

اعمال کر کے جن کی تعمیل میں نہ خون بہانے کی ضرورت ہو اور نہ مال کے خرچ کرنے کی' مسلمان ہو سکتے ہیں' وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے ایسے ہی اسلام کے بدلے میں خدا سے عزت و شوکت کے منتظر رہتے ہیں' حالانکہ اسلام نہ صرف نماز سے ہے اور نہ صرف روزہ سے اور نہ صرف دعا اور استغفار سے' خدا ان لوگوں کی دعا کیونکر قبول کر سکتا ہے۔ جو (منافقوں کی طرح) پیچھے بیٹھ کر دعا کریں۔ حالانکہ ان میں اٹھنے بیٹھنے اور خرچ کرنے کی طاقت بھی موجود ہو۔

یہاں پھر وہی اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس فرنگیوں جتنی دولت نہیں ہے کہ وہ ان کی طرح نیک کاموں میں حصہ لیں اور ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ ہمارا جواب پھر یہی ہے کہ ہم مسلمانوں سے ان کی حیثیت کے مطابق خرچ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم حیثیت سے زیادہ نہیں مانگتے مگر کیا وہ اس قدر بھی کریں گے؟

مسلمان' صرف اپنی کمائی ہی میں بخیل نہیں' بلکہ انہوں نے تو اب اپنے بزرگوں کے اوقاف و مقابر کو بھی کھانا شروع کر دیا ہے اور کوئی کار خیر ایسا نہیں جس میں وہ قدم بڑھاتے ہوئے نظر آئیں۔ پھر اس بزدلی اور بخیلی کے باوجود' مسلمانوں کو کیا حق ہے کہ وہ فرنگیوں کی طرح جو پبلک کاموں میں پیسہ دینے پر پروانہ وار گرے پڑتے ہیں' کامیاب ہونے کی امید رکھیں؟ دنیا میں حکومت کی مثال کھیتی کی طرح ہے یعنی جس قدر کام کیا جائے گا' اسی قدر پھل ملے گا۔ مگر آج کل کے مسلمان یہ نہیں چاہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ نہ محنت کریں' نہ قربانی دیں اور اس کے باوجود فرنگیوں سے آگے بڑھ جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے خدا کا یہ فرمان بھول گئے ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ○

(البقرۃ۲:۱۵۵)

اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال کے

نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش
کریں گے ان حالات میں جو لوگ صبر کریں انہیں خوشخبری دے
دو۔

بعض مسلمان یہ کہتے ہیں' جناب! ہم نے بہت ہی فداکاری دکھائی' خدا کی راہ میں خرچ کیا' جان اور مال کی بڑی بڑی قربانیاں دیں' لیکن پھر بھی ہمیں کوئی اچھا نتیجہ نہ ملا' ہم بدستور فرنگیوں کی غلامی مین مبتلا ہیں۔ یہ کیوں؟

میں سوال کرتا ہوں' آپ جس چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا کہتے ہیں' کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ کا وہ خرچ عیسائیوں اور یہودیوں کے خرچ سے کوئی نسبت رکھتا ہے' کم از کم سو کے مقابلے میں ایک کی نسبت؟

فلسطین کی دردناک مثال

ایک تازہ دردناک مثال ملاحظہ ہو۔ فلسطین میں یہودیوں اور عربوں کے درمیان جھگڑے ہوئے۔ اس پر دنیا بھر کے یہودیوں نے فلسطین کے یہودیوں کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کیا اور دس لاکھ پونڈ جمع کر کے بھیجے۔ مسلمانان عالم نے بھی فلسطین کے مسلمانوں کے لیے چندہ جمع کیا لیکن بڑی کوشش کے باوجود تیرہ ہزار پونڈ جمع ہوئے یعنی وہی سو اور ایک کی نسبت۔ عبرت کا مقام ہے! یہاں پھر وہی بات کی جائے گی کہ مسلمان اس قدر دولت مند نہیں ہیں' لیکن ہمارا جواب بھی وہی ہے' ہم مسلمانوں کو حیثیت کے برابر خرچ کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (التوبہ ۹:۹۱)

ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لیے زاد راہ
نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ

خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔
ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تھوڑا ہی آگے ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ (التوبہ ۹:۹۳)

البتہ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہیں اور پھر بھی تم سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں شرکت جہاد سے معاف رکھا جائے۔ انہوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کیا۔

کچھ شک نہیں کہ یہودی مسلمانوں سے زیادہ دولت مند ہیں مگر مسلمان' تعداد میں یہودیوں سے کہیں زیادہ ہیں' یہودیوں کی تعداد تقریباً" دو کروڑ ہے اور مسلمانوں کی ستر کروڑ۔ اگر ہر مسلمان فلسطین کے لیے صرف ایک پیاسٹر (۱۰۰ پیاسٹر = ۱ پونڈ) چندہ دیتا اور یہ وہ چندہ ہے جو ہر مسلمان دے سکتا ہے تو پھر بھی ستر کروڑ پیاسٹر جمع ہو سکتے تھے۔ مگر مسلمان ایسا کب کرتے ہیں؟

اگر ہم صرف ایک پونڈ دینے کی استطاعت رکھنے والوں کو مسلمانوں کی تعداد کا دسواں حصہ بھی شمار کریں تو پھر بھی سات کروڑ پیاسٹر جمع ہونے چاہئے تھے۔ مسلمانوں کی یہ تعداد تو فلسطین کے نواح ہی میں موجود ہے یعنی مصر' شام' فلسطین' عراق' حجاز' نجد' یمن اور عمان وغیرہ میں۔ اگر ہم انہی لوگوں سے صرف ایک پیاسٹر فی کس چندہ لیتے تو کم از کم تین لاکھ پچاس ہزار پونڈ جمع ہونے چاہییے تھے مگر جو روپیہ جمع ہوا وہ صرف تیرہ ہزار پونڈ تھا یعنی مسلمانوں کی آبادی کے دسویں حصے نے بھی ایک دونی کا پندرہواں حصہ فی کس دیا۔ یہ ہے مسلمانوں کا ایثار۔ دوستو! کیا تم اسی چیز قربانی کہتے ہو؟ کیا تم خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ ایسا ہی جہاد کیا کرتے ہو؟ کیا تمہیں اپنے غریب دینی بھائیوں اور وطنی ہمسائیوں سے جو مسجد اقصیٰ کی حمایت میں تمہاری جگہ اپنا خون بہا رہے ہیں' صرف اسی قدر محبت ہے؟ اور کیا تم محض اتنی ہی

امداد کر سکتے ہو؟ کیا خدا نے یہ نہیں کہا تھا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات ۴۹:۱۰)

مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں

کیا ایک بھائی دوسرے بھائی کی ایسی ہی امداد کیا کرتا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ انگریزوں نے دنیا پر کیوں قبضہ کر لیا؟ میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاق فاضلہ اور کوشش اور اتفاق کی بدولت کامیاب ہوئے ہیں۔ میرے ایک دوست نے مجھے ایک قصہ سنایا تھا' ایک انگریز کسی مشرقی ملک میں بہت بڑا عہدہ دار تھا۔ اس نے اپنے نوکر کو حکم دے رکھا تھا کہ گھر کا تمام سودا ہمیشہ انگریز کی دوکان سے لیا کرے۔ ایک دفعہ نوکر نے ایک ہی مہینہ کے اخراجات میں بیس پونڈ کی بچت نکال دی۔ صاحب نے سبب پوچھا تو نوکر نے جواب دیا کہ میں نے اس دفعہ انگریز کی دوکان کے بجائے ایک مقامی دوکاندار سے سودا خریدا ہے۔ یہ سن کر صاحب نے حکم دیا کہ اب پھر انگریز ہی کی دوکان سے سودا لینا شروع کر دو۔ نوکر نے کہا' اگر اس سے سودا لیا جائے گا تو اخراجات میں ۲۰ پونڈ ماہوار کا اضافہ ہو جائے گا۔ صاحب نے کہا' کچھ حرج نہیں ہے' تمہیں انگریز کی دوکان ہی سے سودا خریدنا چاہیے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ مشرقی ملکوں کے انگریز عہدہ دار ہمیشہ اپنی قیمتی چیزیں ولایت سے منگواتے ہیں' تاکہ ان کا روپیہ باہر نہ جا سکے۔

کیا ہم ان مثالوں کے بعد' مسلمانوں کی حالت کو کسی شمار میں لا سکتے ہیں؟ اگر ہم مسلمانوں کو رات دن بھی یہ نصیحت کرتے رہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے سوا کسی اور سے سودا نہ لیں' پھر بھی وہ ان تمام نصیحتوں کو بھول جاتے ہیں' اگرچہ کسی اجنبی سے سودا لینے میں انہیں ایک آنہ ہی کا فائدہ نظر آئے۔ یہود کے بائیکاٹ میں عربوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں نے نرخ اشیاء کا معمولی فائدہ ہاتھ سے جانا گوارا نہ کیا اور وہ اپنے تھوڑے سے فائدہ کی خاطر اپنے سب سے تیز ہتھیار (یہودیوں کا بائیکاٹ) کو ضائع کر بیٹھے۔ انہوں نے اس معمولی نفع کا خیال کر لیا مگر وہ

نقصان عظیم جو یہودیوں سے انہیں پہنچ رہا تھا' اس کا خیال تک نہ کیا۔

جنگ طرابلس کی مثال

ایک مرتبہ میں نے ایک بڑی حیثیت کے مصری مسلمان سے شکایت کی کہ مصریوں نے طرابلس' الغرب اور برقہ کے مجاہدین کی امداد سے بہت پہلو تہی کی ہے۔ اگر اسلام اور ہمسائیگی کا خیال نہ بھی کیا جائے تو مصریوں کو محض اس لیے بھی ان کی امداد کرنا چاہیے کہ وہ اپنی خودمختاری اور اپنے مستقبل کو قائم رکھ سکیں' کیوں کہ جس طرح سوڈان میں انگریزوں کا رہنا مصر کی خودمختاری کے لیے مہلک ہے' اسی طرح برقہ میں اطالویوں کی موجودگی بھی مصر کے لیے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ مصری مسلمان نے جواب دیا کہ جب اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا تو مصریوں نے ان کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور انہوں نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کی تھیں' لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ آخر کار اطالیہ نے قبضہ کر لیا۔

میں نے کہا' بے شک طرابلس میں مصریوں نے جو کچھ کیا' وہ قابل قدر ہے لیکن جو رقم انہوں نے دی' وہ ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ سے زیادہ نہیں۔ پھر کیا اس رقم کے ساتھ مسلمان یہ خیال کر سکتے ہیں کہ وہ طرابلس کو اطالیہ کے پنجے سے چھڑا لیں گے؟ یہ رقم اطالیہ کی قربانی کے مقابلہ میں تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ مصریوں نے جنگ طرابلس میں ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ دیئے اور حکومت عثمانیہ نے دس لاکھ پونڈ خرچ کیے اس قربانی کا نتیجہ حسب ذیل تھا:۔

اول۔ مسلمانوں نے اسلام کی عزت کو قائم کیا اور فرنگیوں کو سبق دیا کہ ہم اب تک زندہ ہیں اور ہم اپنے شہروں کو گردنیں کٹائے بغیر کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔ اس بہادرانہ طریق عمل کے جس قدر معنوی اور مادی فائدے ہیں' وہ کسی سے مخفی نہیں ہو سکتے۔

دوم۔ اس معمولی رقم نے طرابلس والوں کو لڑنے مرنے پر آمادہ کر دیا' جس

سے اطالیوں کو سخت نقصانات پہنچے' یہاں تک کہ ان کے سیاستدان' طرابلس پر حملہ کرنے کو غلط اقدام کہنے لگے۔

سوم۔ اگرچہ مسلمانوں کے شہدا کم نہ تھے' تاہم اطالویوں کے مقتولوں کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اطالویوں پر میدان جنگ میں ناقابل بیان مصیبتیں ٹوٹیں۔ صرف ایک معرکے کا حال سن لیجیے جو شہر بن غازی کے دروازہ پر ہوا۔ اس دروازے پر ڈیڑھ سو عرب مجاہدین' تین ہزار اطالوی سپاہیوں کے ساتھ لڑتے رہے' یہاں تک کہ تقریباً" وہ سب کے سب شہید ہو گئے عربوں کو اس جانی نقصان پر بہت تکلیف ہوئی۔ مگر اسی دوران میں انہیں استنبول سے ایک تار موصول ہوا یہ تار روما سے جرمنی کے سفیر نے اپنی حکومت کو خفیہ طور پر بھیجا تھا اور جرمن حکومت نے رازدارانہ ہی اسے حکومت عثمانیہ کو بھیج دیا' اس تار میں لکھا تھا کہ بن غازی کی لڑائی میں اٹلی کے تین ہزار سپاہیوں میں سے ڈیڑھ ہزار سپاہی قتل ہوئے اور سات افسر پاگل ہو گئے یہ واقعہ ایسے ہی بیسیوں واقعات میں سے ایک ہے۔

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کس طرح مسلمان اپنے سے دس گنا دشمنوں سے لڑے اور ان کی نصف تعداد کو تباہ و برباد کیا۔ خود کارساز غیب کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ اگر مسلمان طاقتور ہوں گے تو دس گنا پر غلبہ پائیں گے۔ اور اگر کمزور ہوں گے تو اپنے سے دو چند پر غالب آئیں گے۔ چنانچہ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

(الانفال ۸ : ۶۵، ۶۶)

اے نبیؐ" مومنوں کو جنگ پر ابھارو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ اچھا اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے' پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر اور ہزار آدمی ایسے ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے۔ اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

چہارم۔ طرابلس کی لڑائی میں اٹلی کو جو نقصان ہوا' وہ دس کروڑ پونڈ ہے' اور چونکہ بیس سال تک لڑائی جاری رہی' لہٰذا یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اٹلی کے مالی نقصانات کا اندازہ بیس کروڑ پونڈ ہے۔

بہرحال وہ تھوڑی سی رقم جو مسلمانوں نے مجاہدین طرابلس کو چندہ کے طور پر دی' یہ سب اسی کا نتیجہ تھا۔ لیکن افسوس کہ مسلمان ان نتائج پر بھی قانع نہیں ہیں' وہ چاہتے ہیں کہ اطالوی حکومت جس کی آبادی چار کروڑ دس لاکھ اور جس کی سالانہ آمدنی بیس کروڑ پونڈ سے زائد ہے' پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کے سامنے جھک جاتی' یا جنگ شروع ہوتے ہی ہتھیار ڈال دیتی۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو مسلمان بالکل حیران و پریشان ہو کر رہ جاتے ہیں اور بعض تو بالکل یاس کی حالت تک پہنچ جاتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق کفر کے برابر ہے۔

إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

(سورہ یوسف ۱۲:۸۷)

اللہ کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

اٹلی کی آبادی اور دولت وغیرہ کے متعلق جو کچھ ذکر کیا گیا' اس کو الگ رکھ کر یہ دیکھیے کہ اس کے جوانوں میں مسلمانوں سے جنگ و قتال کا اشتیاق کس قدر تھا۔ اس کے لیے ایک اطالوی گیت ملاحظہ فرمائیں۔

گیت

ایک بیس سالہ اطالوی نوجوان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے وطن کی راہ میں نہ لڑے، جبکہ طرابلس میں جنگ کا میدان گرم ہے اور اٹلی کا سہ رنگا جھنڈا اور جنگی ترانہ، اطالوی بہادروں کو گرما رہے ہیں۔ اے میری ماں! اپنی دعا کو پورا کرو اور رومت، بلکہ خوش ہو اور ذرا سا غور کرو کیا تم نہیں جانتی کہ اٹلی مجھے بلا رہا ہے اور میں خوشی کے ساتھ طرابلس جا رہا ہوں تاکہ میں اپنے خون کو اس ملعون امت کے تباہ کرنے میں بہا دوں اور مسلمانوں سے لڑوں جو دوشیزہ لڑکیوں کو بادشاہ کے لیے حلال سمجھتے ہیں۔ میں اپنی تمام طاقت سے قرآن کو مٹانے کے لیے لڑوں گا۔ وہ نوجوان کبھی شان کا مستحق نہ ہو گا جو آج اٹلی کے لیے قربان ہو۔ اے ماں! دلیر ہو جاؤ اور کارونی کو یاد کرو جس نے اپنے وطن کی راہ میں اپنی تمام اولاد کو قربان کر دیا تھا۔

اے میری ماں! میں سفر پر جا رہا ہوں، کیا تم نہیں جانتی کہ ہمارے جہاز، ہمارے سمندر کی صاف اور نیلی لہروں پر لنگر ڈالیں گے؟ میں طرابلس کو جا رہا ہوں اور

خوش جا رہا ہوں کیونکہ ہمارا سہ رنگا جھنڈا مجھے بلا رہا ہے
اور وہ ملک اس کے سایہ میں ہے۔ اے میری ماں! رو
مت' کیونکہ ہم زندگی کی راہ میں ہیں' اگر میں واپس نہ
آیا تو میرے فراق میں آنسو مت بہانا بلکہ تم ہر شام کو
قبرستان جانا۔ شام کی ٹھنڈی ہوائیں تمہارے الوداع کو
طرابلس لے جائیں گی وہ الوداع جو تمہیں کبھی بھی
تمہارے جگر کے ٹکڑے پر ماتم نہ کرنے دے گا اور اگر تم
سے کوئی پوچھے کہ تم ماتم کیوں نہیں کرتیں؟ تو تم اسے یہ
جواب دینا' اس لیے کہ میرا بچہ اسلام سے لڑائی کرتا ہوا
مارا گیا ہے۔ اے میری ماں! طبل جنگ بج رہا ہے اور میں
جا رہا ہوں۔ کیا تم لڑائی کے ڈنکے سنتی نہیں ہو؟ اے
ماں! مجھے معانقہ کرنے دو' الوداع اے ماں۔

(یہ گیت اخبار "الفتح" نے جریدہ الشرق کے ۵۴۳ ویں نمبر سے نقل کیا ہے)

جہاد ریف کی مثال

اب ہم ایک اور مثال دیں گے اور اس کے بعد یہ بحث ختم کر دیں گے کیوں کہ ہمارے پاس اس قدر مثالیں موجود ہیں جو شمار میں بھی نہیں آ سکتیں۔ ریفی لوگ کئی سال اہل ہسپانیہ سے لڑتے رہے اور آخر کار ان پر غالب آ گئے اس جنگ میں انہوں نے ہسپانیہ کے ۲۶ ہزار سپاہیوں کو قتل کر کے ان سے ۱۱۷ توپیں چھین لیں' حالانکہ ریفیوں کی کل آبادی ۸۰ ہزار ہے اور ہسپانیہ کی آبادی دو کروڑ بائیس لاکھ سے کم نہیں ہے۔ ریفی لوگ بہت غریب ہیں' لیکن اس کے باوجود انہوں نے وہ کام کیا' جس پر دنیا بھر کے لوگ حیران ہیں۔ اگر ریفی لوگ عیسائی ہوتے تو ان پر ہر طرف سے کروڑ ہا روپے کی برسات ہو جاتی۔ انہیں یہ امداد خواہ خفیہ طریقے سے ملتی یا صلیب احمر کی طرف سے' زخمیوں کے علاج کے نام پر۔ لیکن ہم مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے اس وقت تک ریفیوں کو کتنے روپے بھیجے ہیں؟

ہسپانیہ کی شکست کے بعد فرانس اور اسپین نے ہسپانوی حکومت کے لیے تین لاکھ سپاہی جمع کر دیئے اور ریفیوں کو سمندر اور خشکی کی تمام اطراف سے گھیر لیا گیا اور سینکڑوں ہوائی جہاز ان کے دیہات پر بم برسانے لگے۔ صرف فرانسیسیوں اور ہسپانویوں ہی کے ہوائی جہاز کام میں نہیں لائے گئے بلکہ نیویارک سے امریکہ کے ہوائی جہاز بھی لائے گئے تاکہ ریف کے مسلمانوں کو تباہ کر دیا جائے۔ جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا' مسلمانان عالم دور کھڑے ہوئے مزے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر کئی سال کے بعد بعض غیرت مند لوگ اٹھے اور ریف کے زخمیوں کے لیے چندے کی اپیل کی' تاکہ مسلمانوں میں بھی کچھ جوش و خروش پیدا ہو۔ راقم الحروف نے بھی محض قلمی خدمات پر اکتفا نہ کیا بلکہ ہجرت و بے وطنی کے باوجود کچھ چندہ بھی دیا۔ اب سن لیجیے کہ تمام عالم اسلامی نے مجاہدین ریف کے لیے کیا چندہ جمع کیا؟ محض پندرہ سو پونڈ۔ شرم ہو مسلمانوں پر۔ کیا تم اسی قربانی پر' اقوام عالم پر غالب ہونے کی توقع رکھتے ہو؟

زوال امت کا دوسرا سبب

اپنے دین اور قوم سے غداری اور دشمنوں سے وفاداری

مسلمانوں نے نہ صرف ریفیوں کو بے یار و مددگار چھوڑا بلکہ ان میں سے بعض ایسے بے حیا لوگ بھی نکل آئے جو ریفیوں کے مقابلہ میں اس سختی سے لڑے، گویا کفار کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں سردار ریف غازی محمد ابن الکریم کے خلاف کئی (مسلمان) قبیلے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرانسیسیوں اور ہسپانویوں کو خوشی کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں اور اپنے مسلمان بھائیوں اور ہم وطنوں کے حق میں خیانت کی، جس کا انجام اب تک وہ بھگت رہے ہیں۔ ہمارے ہاں شام کے جہاد آزادی میں بھی اسی قسم کے خائن اور غدار موجود تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اسلامی ملکوں میں بھی اس قسم کی خیانت برملا ہو رہی ہے۔ کیا ایسے ہی اعمال کی موجودگی میں ہم خدا تعالیٰ سے وعدہ نصرت کو پورا کرانا چاہتے ہیں؟

اگر کوئی شخص ان غداروں سے پوچھے کہ تم نے دشمنان اسلام کی خدمت کیوں کی؟ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہاری یہ خیانت، دین، شرافت، جوانمردی اور تمہاری اپنی مصلحت اور سیاست کے خلاف ہے؟ تو وہ جواب دیں گے، جناب! ہم کیا کرسکتے ہیں؟ اجنبیوں نے ہمیں اس کام کے کرنے پر مجبور کر دیا ہے اگر ہم اسے قبول نہ کرتے تو وہ ہمیں مار ڈالتے یا نقصان پہنچاتے۔ پس ہم لوگ اگر مسلمانوں کے ساتھ لڑے ہیں تو بہت مجبور ہو کر لڑے ہیں۔ یہ بے حیا، اپنی مجبوری کا ذکر تو خوب کرتے ہیں لیکن خدا کا یہ قول بھول جاتے ہیں:

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(التوبہ ۹:۱۳)

کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ

مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(آل عمران ۳:۱۷۵)

آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

پس اس قسم کے بیہودہ عذروں سے کوئی مسلمان اپنی صفائی پیش نہیں کر سکتا اور نہ یہ کوئی جائز اور درست عذر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اجنبی طاقتیں' مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتی ہیں' لیکن اس کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہیے کہ انہی اجنبیوں نے کئی نیک نام مسلمانوں کو مختلف قسم کی خیانتوں پر آمادہ کرنا چاہا' مگر انہوں نے ان کی فرمائش کو اسی وقت رد کر دیا اور ان کے اس انکار سے نہ تو آسمان ان پر ٹوٹ پڑا اور نہ ان کے قدموں سے زمین نکل گئی۔ کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور کیا ہے کہ اجنبی لوگ ان مسلمانوں پر جو ان کی خواہشات سے انکار کر کے اپنی ملت سے خیانت نہیں کرتے' کیوں خفا ہوتے ہیں؟ اصل واقعہ یہ ہے کہ شروع شروع میں جب اہل مغرب نے اسلامی ملکوں کو فتح کیا تو انہیں بڑی سہولت کے ساتھ ایسے بے شرم مسلمان مل گئے' جنہوں نے اپنی قوم کے خلاف خوشی خوشی اپنی خدمات ان کو پیش کر دیں اور ان کی صفوں میں کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے دین اور وطن پر ترجیح دی اور اپنے بھائیوں کے ساتھ لڑنے لگے۔ اگر شروع میں یہ بات نہ ہوتی تو کبھی کسی اجنبی کی یہ جرات نہ ہوتی کہ وہ مسلمانوں کو اپنی مصلحت کے لیے اس قسم کی خیانت پر آمادہ کرتا یا زبان ہی سے ایسی بات نکالتا یا کسی مسلمان کو اس لیے موت کی سزا دی جاتی کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر اپنے مسلمان بھائیوں کو کیوں قتل نہیں کرتا؟

عزت اور آبرو کی موت

یہ یادر رکھنا چاہیے کہ دنیا میں موت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک موت وہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جو زندہ رہنے کے لیے ہوتی ہے' یہ موت اس مومن کو نصیب ہوتی ہے جو کسی دشمن کو اپنے وطن سے نکالنے کی کوشش میں مر جائے وہ موت کا جام تو نوش کر لے لیکن پہلے میدان سے پیچھے نہ ہٹے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

تاخرت استبقى الحياة فلم اجد
لنفسى حياة مثل ان اتقدما

میں زندہ رہنے کے لیے (میدان جنگ سے) پیچھے رہا'
لیکن میں نے اپنے نفس کے لیے کوئی زندگی نہ پائی۔ زندگی تو
صرف آگے بڑھنے والوں کے لیے مخصوص تھی۔

یہ وہی موت کا پیالہ ہے جو ایک فرانسیسی' فرانس کو زندہ رکھنے کے لیے' ایک جرمن' جرمنی کو زندہ رکھنے کے لیے اور ایک انگریز' انگلستان کو زندہ رکھنے کے لیے خوشی کے ساتھ پی لیتا ہے' بلکہ اسے فرض عین سمجھتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس فرض سے انکار نہیں کرتا۔

یہ تو موت کی پہلی قسم ہے۔ موت کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی اجنبی حکومت کی خدمت کرتا ہوا لڑائی میں مارا جائے' یعنی اس لیے مرے تاکہ اس کا اجنبی آقا' اپنے کسی دشمن پر' خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو' غلبہ حاصل کر لے' مثال اس کی یہ ہے کہ افریقہ کا مغربی' فرانسیسیوں کی خاطر جرمنی سے لڑتا ہوا مرجائے یا ایک ہندوستانی' انگریزوں کی خاطر عربوں اور ترکوں سے لڑتا ہوا مرجائے۔

حالانکہ جب فرانسیسیوں کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو افریقہ میں وہ اور زیادہ سخت متکبر ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے حقوق کو دل کھول کر ہضم کرتے

ہیں اور ان کی جائیدادوں کو چھینتے ہیں' چنانچہ جنگ عظیم کے بعد ایسا ہی ہوا ہے اور ہماری اس بے غیرتی کے باعث ان کی جرات اور ہمت یہاں تک بڑھ گئی کہ وہ بربریوں کو عیسائی بنانے کے درپے ہو گئے اور اس کی عملی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

حاصل کلام یہ کہ افریقہ کا مغربی' دریائے رائن کے کنارہ پر مرے یا شام کے میدانوں میں' وہ اس لیے مرتا ہے کہ اس کا ملک اور زیادہ مر جائے' کیونکہ فرانسیسیوں کو خارجی دنیا میں جس قدر زیادہ طاقت حاصل ہو گی' وہ افریقہ کے مغربیوں کو اسی قدر زیادہ تکلیف دیں گے اور انہیں ذلیل و خوار کریں گے۔ اسی طرح وہ ہندوستانی جو انگریزوں کی خاطر گردن کٹاتا ہے' وہ ہندوستان کی غلامی کو اور زیادہ پختہ کر دیتا ہے اور وہ تاتاری جو روسیوں کی خاطر مرتا ہے' اسے اس کے سوا اور کوئی بدلہ نہ ملے گا کہ روسی لوگ تاتاریوں کو اور زیادہ ستائیں۔ اب غور فرمائیے کہ یہ سب موتیں بھی بہرحال موتیں ہیں جو تھوڑا سا خم کھا کے' انسان کو ذلت کے دروازہ تک لے جاتی ہے مگر وہ موت جو سیدھے راستے سے آتی اور عزت کا ذریعہ بنتی ہے' یہ کہ افریقہ کا مغربی خود فرانسیسیوں سے لڑے یا ہندوستانی' انگریزوں سے لڑے اور مر جائے۔ یہ اموات وہ ہیں' جن کی بدولت ان کا وطن اور وطنی بھائی ظلم سے رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔

مراکش اور شام کے بڑے بڑے لوگوں کی غداریاں

اگر یہ باتیں عوام الناس تک محدود رہتیں تو ہم یہ مان لیتے کہ وہ بیچارے کیا جانیں؟ وہ تو جانوروں کی طرح ذبح خانے کی طرف ہانکے جاتے ہیں وہ قرآن حکیم کے احکام سے واقف ہیں' نہ سنت کو جانتے ہیں' نہ سیاسیات سے باخبر ہیں' لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ اچھے بھلے عقلمند اور ذی وجاہت لوگ بھی اپنی قوم اور وطن سے غداریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مراکش کا صدر اعظم المقری' اپنے ہم وطن مسلمان بربریوں کو عیسائی بنانے کی جس قدر کوشش کر رہا ہے' شائد ہی کوئی

فرانسیسی کرتا ہو گا۔ اسی طرح البغدادی نے جو فاس کا گورنر ہے' اس کام کو جس "اخلاص" سے انجام دیا ہے' میرا خیال ہے کہ کوئی کافر بھی انجام نہ دے سکتا۔ چنانچہ اس نے تقریباً" ایک سو نوجوانوں کو اس لیے کوڑے لگائے کہ وہ قردین کی جامع مسجد میں اس طرح وظیفہ خوانی کرتے تھے:

یا لطیف الطف بجاجرت به المقادر

ولا نفرق بیننا و بین اخواننا البرابر

اے لطیف خدا! تو مقدور کو ہلکا کر اور ہم کو اپنے بربری بھائیوں

سے جدا نہ کر۔

اس کے علاوہ فاس کے مفتی کو بھی نہیں بھولنا چاہیے جس نے یہ فتویٰ دیا کہ بربری لوگ شریعت اسلامیہ پر عمل نہ کرنے سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتے۔

تعجب کی بات ہے کہ اگرچہ یہ سب خائن بڈھے ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کے مالوں کو بہت کھا پی چکے ہیں' تاہم وہ اب تک فرانسیسیوں کی چاپلوسی کرتے نہیں تھکتے ان کے تقرب پر جان دیتے ہیں اور کسی وقت بھی اپنے اخلاص کے اظہار سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتے۔ ان حرکات سے ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے عہدوں پر قائم رہ سکیں۔

لطف یہ ہے کہ ان بدمعاشوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ فرانسیسیوں کا اس نئے قانون سے جس میں بربروں کو اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے' کیا منشاء ہے؟ اور انہوں نے بربریوں کو اسلام سے الگ کرنے کے لیے کیا کیا تیاریاں کی ہیں؟ نیز وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بے شمار پادری اور مسیحی مشنری کس طرح بربروں میں گھومتے رہتے ہیں اور ان کے یتیم بچوں کو' غریبوں کو اور کم ایمان والوں کو تلاش کر کے اپنے جال میں پھنسا لیتے ہیں؟ وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ فرانسیسیوں نے مسلمانوں کے عالموں اور مبلغوں کا بربروں سے رابطہ رکھنا قطعاً" بند کر دیا ہے' تاکہ مشنریوں کو

اپنا کام سرانجام دینے میں آسانی ہو۔ ہمارا قیاس یہ ہے اور یہ کچھ بعید از عقل بھی معلوم نہیں ہوتا کہ المقری اور البغدادی ان لوگوں میں سب سے اول ہوں گے' جنہوں نے بربروں میں علماء اسلام کے پھرنے اور وعظ کہنے کو ممنوع قرار دیئے جانے پر اپنے دستخط ثبت کیے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ المقریٰ نے مسلمانوں کے بیت المال میں سے اپنے رسالہ "مراکش الکاتولیکیہ" کے لیے ایک فنڈ مقرر کر لیا ہو' کیوں کہ اس رسالہ کا مقصد اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ اسلام کی برائی بیان کی جائے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے کیے جائیں اس رسالہ کے کئی نمبر ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان کے اوراق اسی قسم کے بے ہودہ مضامین سے بھرے پڑے ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود المقری کو آپ دیکھیں گے کہ وہ بڑی لمبی نمازیں پڑھتا ہے' روزہ رکھتا ہے' اس کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور ہمیشہ درود و سلام میں مشغول رہتا ہے اور اسی طرح یہ بدبخت البغدادی بھی ان لوگوں میں سے ہے جو قبروں کے سامنے بچھے رہتے ہیں' اولیاء اللہ سے امدادیں مانگتے ہیں اور خلق خدا پر اس قسم کی جھوٹی پرہیز گاری جتاتے ہیں۔ باقی رہے مفتی صاحب تو ان کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' کیوں کہ وہ تو بہرحال مفتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ دن میں جماعت کے ساتھ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں اور تہجد و اشراق اور وتر و نفل کے پڑھنے میں بھی حتی الوسع دریغ نہیں کرتے۔ خدا کی لعنت ہو ان سب پر۔

یہ باتیں نہ صرف افریقہ میں ہوئیں بلکہ ہمارے ہاں شام میں بھی۔ فرانسیسیوں کی فتح کے بعد یہاں بھی کئی مولوی اس قسم کی خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں' اگرچہ خیانت کسی حد تک مذہبی خیانت نہیں' تاہم وطنی خیانت ضرور ہے چنانچہ جب فرانسیسیوں نے بعض مولویوں سے کہا کہ وہ "المؤتمر السوری الفلسطینی" کے خلاف جو شام اور فلسطین کی خودمختاری کے لیے کوشش کر رہی تھی' لیگ آف نیشنز (اقوام متحدہ) کو تار بھیجیں اور اس سے اپنی نفرت و بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کریں تو ان

بڑی بڑی پگڑیوں' لمبی لمبی عباؤں' موٹی موٹی گردنوں اور بڑے بڑے پیٹ والے مولویوں نے فی الفور اس مجوزہ تار پر دستخط کر دیئے۔ پس اگر میں یہ نہ کہوں کہ ان پر خدا کی لعنت ہو تو شاید میرے افریقہ کے بھائی مجھ پر ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ تم نے ہمارے صدر اعظم اور مفتی اکبر پر تو لعنت بھیجی مگر شام کے مولویوں کو اس "نعمت" سے بچا لیا پس عدل و انصاف کے تقاضے کے تحت ان سب پر لعنت بھیجتا ہوں۔ خدا ان سب پر لعنت کرے جو اجنبیوں کی ہر خواہش کو بلا لیت و لعل پورا کرتے ہیں' خواہ وہ دین اور وطن کے لیے جتنی بھی نقصان دہ ہو۔

اب شاید برادرم عمر بسیونی عمران صاحب یہ کہیں گے کہ اس قسم کی خیانت کرنے والے لوگ دنیائے اسلام میں بہت کم ہیں اور تمام مسلمان ان کی بدکاریوں کے ذمہ دار نہیں ہیں تو اس کے جواب میں گذارش ہے کہ سب سے پہلے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت اترتی ہے تو وہ خاص ہوتی ہے اور جب مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ عام ہوتی ہے ہم کبھی یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ ایسے مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اور عام مسلمان ان کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں' اس لیے کہ اگر عام مسلمانوں کو اپنے فرائض کا احساس ہوتا اور وہ ان خائنوں کی سرکوبی کرتے رہتے تو یہ لوگ کبھی بھی ان کے دین اور دنیا کو فروخت کرنے کی جرات نہ کر سکتے بلکہ اس کے برخلاف ان کی یہ حالت ہوتی کہ اگر فرانسیسی ان کے سامنے کوئی ایسی تجویز پیش کرتے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے مضر ہوتی تو اگر وہ اس کو ملتوی نہ کرا سکتے تو کم از کم اتنا ضرور کرتے کہ وہ اپنے عہدوں سے مستعفی ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فرانسیسی ان کے عہدے بعض دوسرے مسلمانوں کو دے دیتے لیکن جب وہ یہ دیکھتے کہ یہ نئے عہدے دار بھی اس تجویز کو عملی جامہ نہیں پہناتے تو انہیں مجبوراً" یہ نتیجہ نکالنا پڑتا کہ اصرار' تکرار اور ضد سے کوئی فائدہ نہیں اور اس کے بعد وہ اپنے مذموم ارادہ و خیال سے ضرور دست کش ہو جاتے' لیکن موجودہ حالت تو بہت افسوسناک ہے اس لیے کہ فرانسیسی لوگ مسلمانوں

کی امداد سے اسلام کو تباہ و برباد بھی کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہتے جاتے ہیں کہ ہمارا تو اس معاملہ میں کچھ بھی قصور نہیں' یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے' تمہارے اپنے بھائی کر رہے ہیں۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فرانسیسیوں نے بربروں کو خارج از اسلام قرار دیئے جانے کے قانون کے متعلق کیا پروپیگنڈا کیا ہے؟ انہوں نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ یہ قانون شاہ مراکش اور اس کی حکومت نے منظور کیا ہے اور ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلمانوں کے دشمن' مسلمان

ان حالات میں ہمیں خود سوچنا چاہیے کہ کیا یہ وہی اسلام ہے جس کی بناء پر آپ خدا سے مسلمانوں کی نصرت اور تائید کا مطالبہ کرتے ہیں؟ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۝

(ھود ۱۱:۱۱۷)

تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔

لہٰذا جب تک ہم مسلمانوں میں خائن اور غدار مسلمان موجود ہیں اور انہیں ان کے اعمال سے کوئی روکنے والا نہیں ہے' ہم یقینی طور پر ایسی ہی ذلت اور خواری کے مستحق رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اجنبیوں کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ اسلامی ممالک کو فتح کریں۔ انہیں اپنا غلام بنائیں اور ان کے مالوں پر قبضہ کر لیں بلکہ اس ظلم کے ہم ذمہ دار ہیں ہم نے خود اپنی غداری سے اسلامی ممالک کو غیروں کے قبضے میں دے دیا ہے۔ اب مسلمانوں کی ذلت' پستی اور محکومی سے خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو زندگی کا سبق سکھایا جائے اور ان کے بروں کو نیکوں سے اس طرح علیحدہ

کر دیا جائے جس طرح آگ، سونے کو کھوٹ اور میل سے پاک اور صاف کر دیتی ہے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۝

(الروم ۳۰:۴۱)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کی خرابی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آج مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن خود مسلمان ہیں۔ یہ انتہا ہے کہ اگر کوئی سچا مسلمان اپنی ملت اور وطن کی خدمت کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے مسلمان بھائی سے اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی خوف کھاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی بات سن کر کسی اجنبی کو پہنچا دے اور جاسوسی کرے اور اس کی چغلی کھائے۔ ایسی چغل خوری اور جاسوسی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اجنبیوں کو فائدہ پہنچایا جائے وہ مسلمانوں سے ہوشیار رہیں اور مسلمان اپنی قوم اور دین کے لیے کچھ نہ کر سکیں اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔

سلطان ابن سعود کا قول ہے کہ مجھے مسلمانوں اور صرف مسلمانوں ہی سے ڈر ہے۔ میں اجنبیوں سے نہیں ڈرتا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اجنبیوں نے مملکت اسلام میں جس قدر بھی فتوحات حاصل کی ہیں، اگر وہ سب کی سب مسلمانوں کے ہاتھ سے پوری نہ بھی ہوئیں ہوں تو ان فتوحات کا نصف یا تہائی حصہ ضرور مسلمانوں کے ہاتھ سے پورا ہوا ہے۔ دشمنان اسلام کو مسلمانوں میں سے ایسے بہت لوگ مل جاتے ہیں جو ان کے مفاد کے لیے اپنی قوم کی جاسوسی کرتے ہیں، اجنبیوں کے حق میں پروپیگنڈا کرتے ہیں، ان کے ساتھ شامل ہو کر تلوار اٹھاتے ہیں اور اپنی قوم

کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ ان حالات میں فرمائیے کہ اب اسلام اور ایمان کہاں ہے؟ اور خدا کے اس فرمان کی کسے پروا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰)

مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں

اور قرآن کی یہ آیت کسے یاد ہے؟

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (المائدہ ۵:۵۱)

اور اگر تم میں سے کوئی ان (کافروں) کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر ان ہی میں ہے۔

نیز خدا کے اس حکم کی تعمیل کرنے والے کہاں ہیں؟

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ أَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ (الممتحنہ ۶۰:۹)

وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

اسی حکم کے مطابق یہ حکم بھی ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ (الانفال ۸:۱)

پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم مومن ہو۔

کیا خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور ایمانی دوستی اسی طرح ہوتی ہے کہ غیروں کے لیے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرڈالا جائے۔ پھر کیا خدا ایسے لوگوں کو عزت و

نصرت دے گا اور اس زمین پر حکمران بنائے گا' جو اپنی قوم' اپنے وطن اور اپنی ملت کے خلاف غیر طاقتوں کی خدمت اور وفاداری کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں؟

اب اس مسئلہ کے اصلاحی پہلو پر غور فرمایئے۔ اگر کوئی غیرت مند مسلمان' ان بزرگوں کو ملامت کرے اور انہیں خیانت اور غداری سے منع کرے تو وہ ہمیشہ یہی جواب دیں گے' جناب والا! ہم لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اجنبیوں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں' وہ بے شک برا ہے لیکن ہم سے کئی گنا زیادہ برائیاں کرنے والے اور لوگ بھی تو موجود ہیں۔

انہی عذرات کو تو عذر لنگ کہتے ہیں۔ غور تو کیجیے۔ اگر یہ لوگ اپنی تلواروں سے' اپنی قوم اور ملت کی خدمت نہیں کر سکتے تھے تو قلموں کو جنبش دیتے' اگر قلموں کو جنبش نہیں دے سکتے تھے تو پھر زبان سے خدمت کرتے' اگر زبان سے بھی خدمت کا موقع نہ پاتے تھے تو کم از کم دل ہی سے کفار کو برا سمجھتے' لیکن ان کم بختوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ البتہ کیا تو یہ کیا کہ اپنی قوم کی مصلحت کے خلاف دشمنان اسلام کے لیے جاسوسی کی اور اس ذلت کے باوجود اب وہ بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں اور بے خبر پڑے ہوئے عیش کی زندگی گذار رہے ہیں ان کو نہ غم ہے نہ فکر ہے' نہ حیا ہے اور نہ شرم ہے۔ وہ مسلمانوں کے حقوق کو فروخت کر کے ان کی قیمت کھا رہے ہیں' وہ اپنے آرام کے عاشق ہیں' ان کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے اور انہیں کوئی ملامت بھی نہیں کرتا اور نہ مسلمانوں میں کوئی ایسا موجود ہے جو انہیں ان کی غداریوں اور بدکاریوں کا بدلہ دے سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان برابر نہیں ہیں' مثلاً افغانیوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو دشمنان اسلام کی خدمت کرے اور پھر زندہ بھی رہے۔ اسی طرح وہابیوں میں بھی یہ بات نہیں ملتی۔ پھر مصریوں میں بھی سیاسی احساس یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ کوئی آدمی یہ جرات نہیں کر سکتا کہ وہ اجنبیوں کے حکم کو اپنی قوم کے حکم پر علی الاعلان ترجیح دے سکے یا اجنبیوں میں صاف طور پر کھڑا ہو

سکے، لیکن افسوس کہ اسلام کے دوسرے ملکوں میں یہ بات موجود نہیں ہے ان ممالک میں جو شخص بھی چاہتا ہے، بڑی سہولت اور بے شرمی کے ساتھ دشمنان اسلام کا وفادار بن جاتا ہے اور علی الاعلان ان کی حمایت کرتا ہے۔ اب فرمایئے، کیا خدا ایسے ہی مسلمانوں کو اپنی خلافت عطا فرمائے گا! اور یہ وعدہ پورا کرے گا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا

(النور ۲۴:۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اس طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا بس وہ میری بندگی کیا کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

یاد رکھیے! خدا اس سے پاک ہے کہ اس کے وعدہ خلافت کا اشارہ آج کل کے مسلمانوں کی طرف ہو، وہ مسلمان جو اپنی قوم کے خائن ہیں اور غیروں کے وفادار ہیں اور ان کی رضا جوئی کے لیے اپنے بھائیوں کو ہر قسم کے نقصانات پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں بلکہ اپنے دنیوی مفاد کی خاطر وہ ہر ذلیل سے ذلیل کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، حالانکہ خدا نے ایمان کو اعمال صالح کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ ان کی ان بداعمالیوں سے ظاہر ہے کہ ان کا سینہ دراصل ایمان سے خالی ہے۔

مذکورہ بالا آیت کا اشارہ، ان مسلمانوں کی طرف نہیں جنھوں نے اپنی قوم کے

مقابلہ میں دشمن کو امداد دی ہے' ان کی جاسوسی کی ہے اور اپنی قوم' وطن اور ملت کی خرابی کے لیے اجنبیوں کے وفادار بن گئے ہیں اور انہوں نے اپنے اسلام کے لیے صرف یہی کافی سمجھ رکھا ہے کہ نماز پڑھو' درود بھیجو اور ہر وقت ایک لمبی سی تسبیح اپنے ہاتھ میں پکڑے رہو۔ اگر یہ باتیں کسی کو مسلمان بنانے کے لیے کافی ہوتیں تو قرآن یہ اعلان نہ کرتا' اے فرزندان اسلام! جہاد کے لیے نکلو' صبر کرو' سچے ہو جاؤ' تکلیفیں اٹھاؤ' اپنے مومن بھائیوں کی مدد کرو' انصاف سے کام لو اور احسان کرو' اگر صرف درود و وظائف کسی انسان کو مسلمان بنانے کے لیے کافی ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا:

> قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭوَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ ۹:۲۴)
>
> اے نبیؐ' کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں' اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے' اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

اپنی موجودہ حالت کو ہم سب جانتے ہیں کہ آج کل کے مسلمانوں میں شاذ و نادر ہی کوئی مسلمان ایسا مل سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہو اور انہیں

اپنے باپ بیٹے' بھائی' بیوی' تجارت' دولت اور جائیداد پر ترجیح دیتا ہو۔

ایک قابل غور مثال

اب ہم ایک اور مثال دیں گے جس سے مسلمانوں کی ہمت اور ایمان کا اندازہ لگ سکے گا اور وہ یہ ہے۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ خدانخواستہ فرانسیسی لوگ بربروں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو رہے ہیں اور روما کا پوپ' کیتھولک عیسائیوں سے چندہ کی اپیل کرتا ہے تاکہ اسی لاکھ بربری مسلمان' چالیس کروڑ عیسائیوں میں شامل ہو جائیں اور ان کے لیے گرجے' اسکول' یتیم خانے اور ہسپتال بنوا دیئے جائیں۔ آپ فرمائیے' اس اپیل کے جواب میں انہیں کتنے روپے ملیں گے؟ ظاہر ہے کہ کروڑوں روپے جمع ہو جائیں گے اور اگر یہی اپیل پروٹسٹنٹ عیسائیوں سے کی جائے تو ان کا چندہ کیتھولک افراد کے چندہ کی نسبت یقیناً" دوگنا ہو گا اور یہ رقم بہت کم مدت میں جمع ہو جائے گی۔

اب ہم مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ دیکھو! تمہارے بربری بھائی' اسلام سے مرتد ہونے کے قریب پہنچ گئے ہیں اور اس ارتداد کا باعث محض جہالت ہے۔ للذا تمہارا فرض ہے کہ تم ان لوگوں میں اپنے علماء بھیجو تاکہ وہ انہیں اچھی طرح سے اسلام سکھا دیں۔ نیز ان کے لیے مسجدیں' اسکول اور یتیم خانے بنوا دو تاکہ وہ اسلام پر قائم رہ سکیں۔ فرمائیے' ہماری اس اپیل کا نتیجہ کیا ہو گا؟ میرا خیال ہے کہ جان توڑ کوشش اور دوڑ دھوپ کے بعد بھی شاید مسلمانوں کا چندہ' عیسائیوں کے چندہ کا دسواں حصہ ہو گا اس سے زیادہ کبھی نہیں ہو گا۔ پس اس مثال سے عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی حمیت عیاں ہو گئی' اب اس کے بعد یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں کہ مسلمان کیوں ذلیل ہو گئے اور دیگر اقوام کیوں ترقی کی راہ پر گامزن ہیں؟

مسلمانوں پر تعصب کا الزام اور اس کی حقیقت

عیسائیوں کے شہرہ آفاق تعصب کے باوجود' عیسائی مصنف اور اخبار نویس اور ان کے مشرقی شاگرد' دوسروں پر تعصب کا الزام لگانے میں ذرا نہیں شرماتے اور اپنے آپ کو وسیع القلب بھی بتاتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ راقم الحروف کے علاوہ سید رشید رضا (مرحوم) اور عبدالحمید بک سعید رئیس جمعیتہ الشبان المسلمین وغیرہ کو جو اسلام کی حمایت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو جگاتے ہیں' ہمیشہ متعصب کے نام سے موسوم کرتے ہیں' پھر لطف یہ کہ ہم صرف عیسائیوں کے نزدیک ہی متعصب نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں کے نزدیک بھی متعصب سمجھے جاتے ہیں جو مسلمان کہلوانے کے باوجود اسلام کے حکموں اور مسلمانوں کی ضرورتوں سے بے پروا ہو چکے ہیں اور بعض دفعہ عیسائیوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے دین اسلام سے اپنا بے پروا ہونا بھی ان پر جتا دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرنگیوں کے نزدیک کوئی مسلمان صرف اسی وقت غیر متعصب ہو سکتا ہے' جبکہ وہ بربروں کو عیسائی بنانے میں فرانسیسیوں کی کوششوں کا حال سن کر اپنی آنکھیں بند کر لے یا جب وہ سنے کہ ہالینڈ والوں نے جاوا میں دس لاکھ مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا ہے۔ (جیسا کہ ہالینڈ پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے کہا ہے) تو یہ کہہ دے کہ مجھے کوئی پروا نہیں' جاوا کے رہنے والے عیسائی ہوں کہ مسلمان' مذہب کی تبدیلی ان کا پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس کا تعلق ان کے ضمیر سے ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ تہذیب یافتہ سمجھا جائے گا اور تمام یورپ میں اس کا ذکر ہو گا' لیکن اس کے خلاف عیسائیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے کروڑوں روپے خرچ کریں بلکہ توپیں' ہوائی جہاز اور ٹینکوں تک کو کام میں لائیں اور مسلمانوں کو شعائر دینیہ کی ادائیگی سے روک دیں۔ اس کے علاوہ اسلام کو شکست دینے کے لیے اسلامی ملکوں میں بھی ہر قسم کا پروپیگنڈہ کریں۔ یہ لوگ تو ان سب حرکات کے باوجود بھی مہذب' متمدن اور جنٹلمین کہے جاتے ہیں مگر مسلمان اپنے

بھائیوں کو بچا بھی نہیں سکتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو تمام یورپ میں ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا ہے کہ دیکھو یہ کتنے فرقہ پرست اور متعصب ہیں۔

اب ایک اور تماشہ دیکھیے یورپ کی یہ تمام سینہ زوریاں ظاہر ہیں۔ فرانسیسی حکومت اپنے آپ کو غیر متعصب کہلانے کے باوجود بربریوں کو عیسائی بنا رہی ہے اور ہالینڈ کی حکومت جاوا میں مشنریوں کی حمایت کر رہی ہے۔ بیلجیم کی حکومت کو نگو کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے درپے ہے۔ برطانوی حکومت یوگنڈا' دارالسلام اور سوڈان میں اسلامی تبلیغ کی روک تھام کر رہی ہے۔ یہ اور ایسی ہی ہزاروں مثالوں کے باوجود' یہ نام نہاد اور مغرب زدہ مسلمان اب تک ناواقف مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یورپ نے دین کو بالکل پس پشت چھوڑ رکھا ہے اس لیے وہ کامیاب ہو گیا اور مسلمان کبھی ترقی نہیں کر سکتے' جب تک کہ اسلام کو خیرباد نہ کہہ دیں۔

ترکی میں اس قسم کا پروپیگنڈا کیا گیا تھا اور بہت سے لوگ ان کے جال میں سوچے سمجھے بغیر پھنس گئے تھے۔ یہ ترکوں کے پیرو جب مصر' شام' عراق اور ایران میں بھی بعض لوگوں سے ملتے ہیں تو ایسی ہی خلاف حقیقت باتیں بلا تامل دہراتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان دجالوں کی باتوں کو صحیح تسلیم کرنے والے سادہ لوح مسلمان "دانشور" ہر جگہ مل جاتے ہیں۔

تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا سبب

زوال امت کے چار اہم اسباب

مسلمانوں کے اسباب زوال میں، یہ چار باتیں بہت اہم ہیں۔

۱۔ **جہالت۔** سب سے اول جہالت ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جاہل لوگ جو سرکہ اور شراب میں بھی تمیز نہیں کر سکتے، ہر قسم کی بیہودگی کو ماننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور جواب دینے کی طاقت نہ رکھنے کے باعث ہر وقت اغیار کے فریب کا شکار رہتے ہیں۔

۲۔ **کم علمی۔** دوسری وجہ مسلمانوں کی کم علمی ہے۔ یہ چیز جہالت سے بھی بدتر ہے کیونکہ اگر سچا عالم مل جائے اور جہلاء کو راہ راست پر آمادہ کر سکے تو وہ فی الفور راستی کو قبول کر لیتے ہیں لیکن نیم تعلیم یافتہ اشخاص اپنی منطق کے سامنے کسی کا قول بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مشہور مقولہ ہے "نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان" میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ ایک پورا جاہل، آدھے جاہل سے بہتر ہے۔

۳۔ **اخلاق کا زوال۔** تیسری چیز مسلمانوں کے اخلاق کا گر جانا ہے۔ ہم نے قرآن کریم کی ارشاد فرمائی ہوئی اچھی صفات، جن سے ہمارے اسلاف اعلیٰ مرتبوں تک پہنچے، بالکل ترک کر دی ہیں اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ قوم کو بنانے اور بڑھانے کے لیے علوم اور معارف کی نسبت اخلاق عالیہ کی موجودگی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ امیر الشعراء شوقی کیا خوب کہتا ہے۔

وانما الامم الاخلاق ما بقیت

فان هم ذهبت اخلاقهم ذهبوا

قومیں اسی وقت تک زندہ رہتی ہیں جب تک ان میں اخلاق

موجود ہو۔ اگر ان کے اخلاق ختم ہو جائیں تو گویا وہ خود ختم ہو گئیں۔

۴۔ **علماء اور حکمرانوں کا زوال۔** مسلمانوں کے زوال کی اہم وجوہات میں سے ان کے علماء اور حکمرانوں کی کمزوری بھی ہے۔ حکمران یہ خیال کرتے ہیں کہ عام لوگ محض ان کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انہیں راہ راست پر لانا چاہے تو وہ اسے مار ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ زیادہ افسوس یہ ہے کہ ان ظالم حکمرانوں کو منافق مولوی بھی ملے ہوئے ہیں حالانکہ ان کا فرض یہ تھا کہ وہ بادشاہوں کو سیدھا راستہ دکھاتے۔ قدیم حکومتوں میں تو علماء اور فقہاء کا کام وہ تھا جو آج کل پارلیمنٹ کا کام ہے۔ وہ قوم اور بادشاہ پر نظر رکھتے تھے اور جب کبھی قوم پر ظلم ہوتا تھا' وہ فوراً" اپنی آواز بلند کر کے خلیفہ وقت کو تنبیہہ کرتے اور اس طرح مسلمانوں کا کام ہمیشہ درست رہتا تھا۔

اس درستی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ علماء پرہیز گار تھے' دنیا کے ساز و سامان سے بے پروا تھے۔ جب تک مسلمانوں میں ایسی جماعت موجود رہی' کسی خلیفہ یا بادشاہ کو علی الاعلان ظلم کرنے کی جرات نہ ہوئی' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عام امت علماء کے پیچھے ہے اور علماء حق پرست ہیں' لیکن افسوس کہ ان اچھے اور سچے عالموں کے بعد ایسے علماء پیدا ہوئے' جنھوں نے علم کو روٹی کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔ ایسے علماء نے فاسق اور بدکار بادشاہوں کی ناجائز باتوں کو بھی جائز قرار دیا اور ان کی رضا جوئی کے لیے دین کے احکام کو دین کے نام پر توڑ ڈالا۔ اب رہے عوام الناس' تو وہ ان منافق مولویوں کی بڑی بڑی پگڑیوں اور لمبے لمبے عصاؤں کو دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان مولویوں کے فتوے صحیح ہیں' ان کی رائے درست ہے اور شریعت کے موافق ہے پس اس گمراہی اور غلطی سے اسلام کی خرابی بڑھ رہی ہے۔ امت کے فائدے ضائع ہو رہے ہیں' مسلمان روز بروز تنزل کا شکار ہو رہے ہیں' ان کے دشمن ترقی کرتے جاتے ہیں۔ ان سب باتوں کا گناہ مولویوں پر ہے۔

ساتواں سبب

دردناک بزدلی اور مایوسی

مسلمانوں کے تنزل کا ایک اور بڑا سبب ان کی بزدلی اور ڈرپوکی ہے' ہمارے اسلاف تمام اقوام عالم میں شجاعت و شہامت کے لیے مشہور تھے' وہ موت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک مسلمان تن تنہا دس آدمیوں کا اور بعض دفعہ سو کا مقابلہ کرتا تھا مگر آج یہ حالت ہے کہ وہ موت کے نام سے بھی ڈرنے لگے ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ خوف ایک ایسا امر ہے جو اسلام کے ساتھ کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔

زیادہ تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں پر زیادتی کرنے والے دشمنوں کو موت کا اس قدر خوف نہیں ہے جس قدر دشمنوں کے مٹانے میں مسلمانوں کو موت کا خوف ہے۔ اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے دشمن اپنی قوم اور وطن کے لیے کس کس طرح موت سے کھیل رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں کیا کیا کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں؟ لیکن ہم پھر بھی شرم نہیں کرتے' نہ دشمن سے سبق لیتے ہیں اور نہ خدا کے اس قول سے عبرت حاصل کرتے ہیں:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ

(النساء ۴:۱۰۴)

اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔

ڈرپوکی کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا مرض یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں مایوسی

بھی پھیل رہی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہو گیا ہے کہ وہ فرنگیوں سے بہت گرے ہوئے ہیں' وہ ان سے لڑ کر کامیاب نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے ساتھ جنگ کر کے انہیں فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ فرنگیوں کو مسلمانوں کی محض بزدلی کے باعث کئی جگہ از خود فتوحات حاصل ہو جاتی ہیں۔ پرانے زمانے کی روایات بدل گئی ہیں اور کئی جگہ تو ان کے چند ہی آدمی بے شمار مسلمانوں کا مقابلہ کر کے انہیں پسپا کر دیتے ہیں۔

یری الجنا ان الجبن خرم
و تلک خدیعة الطبع اللئیم

ڈرپوک لوگ بزدلی کو عقلمندی سمجھتے ہیں' حالانکہ یہ کمینہ لوگوں کا ہتھیار ہے۔

ہم وہ زمانہ بھول گئے ہیں جبکہ محض بیس مسلمان بارسلونا فرانس کے جنوب میں فراکیمہ کو آئے اور پہاڑ پر قبضہ کر کے ایک قلعہ بنا کر رہنے لگے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ اور وہ ایک سو ہو گئے۔ تب انہوں نے ایک باقاعدہ حکومت قائم کی اور فرانس کے جنوبی حصہ کے علاوہ اٹلی کے شمالی حصہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف ایک سو تھی مگر اس حال میں بھی گرد و نواح کے بادشاہ ان کی دوستی کے طلب گار تھے۔ کوہ الپ کی چوٹی اور فرانس اور اٹلی کے وسطی پہاڑوں کی شاہراہیں ان کے قبضہ میں تھیں اور ان راستوں سے جس قدر بھی قافلے گزرتے تھے' وہ ان سب سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اس چھوٹی سی جماعت نے یہاں تک ترقی کی کہ وہ یورپ اور سوئٹزر لینڈ کے وسط میں بحیرہ کونستانزہ تک پہنچ گئی اور پورے پچانوے سال تک ان علاقوں پر حکمران رہی۔ آخر کار تمام اہل فرنگ متحدہ قوت سے ان کو مٹانے پر کمربستہ ہو گئے' یہاں تک کہ وہ مسلسل لڑائیوں کے بعد مٹا دیئے گئے۔ اس وقت ان مسلمان عربوں کی تعداد ۱۵۰۰ سے زیادہ نہ تھی۔

جدید آلات نہ ہونے کا بہانہ

بعض بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ہاں' جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں' وہ ضرور درست اور بجا ہے لیکن یہ باتیں تب تھیں جب کہ فرنگیوں کے پاس لڑائی کے جدید آلات' توپیں' ٹینک اور ہوائی جہاز وغیرہ موجود نہ تھے۔ علوم جدیدہ کی ترقی نے ان حالات کو بالکل بدل دیا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ باتیں محض بزدلی اور حماقت کی ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کے دشمن کچھ کم ساز و سامان کے مالک نہ تھے۔ تاریخ کی ورق گردانی کیجیے' آپ کو معلوم ہو گا کہ پرانے زمانے میں بھی لڑنے کے لیے خاص خاص ہتھیار موجود تھے اور وہ اس زمانے میں آج کل کی توپوں اور مشینوں ہی کا کام دیتے تھے' اصل واقعہ یہ ہے کہ ظاہری ہتھیار اور سامان دلوں میں ہمت پیدا نہیں کرتے بلکہ انسان کی ہمت ان سامانوں کو پیدا کرتی ہے۔ یہ ہتھیار اور سامان محض بے فائدہ ہو سکتے ہیں بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ بے کار ہو جاتے ہیں' اگر یہ کسی کم ہمت اور بزدل شخص کے ہاتھ میں ہوں۔ اصل چیز ہتھیار نہیں بلکہ انسان کی ہمت اور حوصلہ ہے۔

جدید علوم سے محرومی کا بہانہ

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگرچہ باتیں سچ ہیں تاہم عملی کامیابی کے لیے آج کل کے علوم از بس ضروری ہیں اور چونکہ یہ علوم مسلمانوں میں موجود نہیں ہیں اس لیے وہ فرنگیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

گزارش ہے کہ جب مسلمانوں میں ہمت اور عقل ہو گی تو وہ نئے علوم اور موجودہ اختراعات کے بھی مالک ہوں گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جاپانی لوگ ۱۸۸۶ء تک دیگر مشرقی ممالک کی طرح پسماندہ تھے' لیکن جب انہوں نے اہل یورپ کے نقش قدم پر چلنا چاہا اور ان کے علوم اور صنعتوں کو سیکھا تو وہ پچاس ہی سال کے اندر ان کے برابر ہو گئے۔ پس اگر امت مسلمہ کھڑا ہونا چاہتی ہے اور طاقتور قوموں کے دوش

بدوش چلنا چاہتی ہے تو اس کے لیے بھی یہی راستہ کھلا ہے۔ وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اغیار کا مقابلہ کر سکتی ہے جیسا کہ جاپانیوں نے کیا ہے' اور اپنے مذہب اور رسوم پر قائم رہتے ہوئے کیا ہے۔

بزدلی چھوڑو ہتھیار موجود ہیں

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے کس وقت جدید قسم کے ہتھیار حاصل کرنا چاہے اور یہ سامان انہیں نہ ملا؟ واقعہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اگر کوئی کمی ہے تو وہ عزم و استقلال کی کمی ہے۔ جب بھی ان میں عزم و استقلال پیدا ہو گا' انہیں سب کچھ مل جائے گا۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ اگر آج کوئی مسلمان ہتھیار حاصل کرنا چاہے تو دوسرے ہی دن اسے ہر قسم کے ہتھیار مل جاتے ہیں ہاں ہتھیار لینے کے لیے پیسہ دینا ہوتا ہے اور اس معاملہ میں ہم بہت کمزور ہیں' ہم نہ تو خرچ کرنے کو تیار ہوتے ہیں اور نہ فرنگیوں اور جاپانیوں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ ہم فتح و کامیابی کو بغیر ہتھیاروں کے اور ہتھیاروں کو بغیر پیسہ کے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ حماقت ہے۔ ہماری انہی کوتاہیوں کے باعث جب دشمن ہم پر غالب آ جاتا ہے تو ہم چیخنے لگتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں کہ خدا کا یہ وعدہ کہاں ہے :

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم ۳۰:۴۷)

اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔

اس پکار کا مطلب تو یہ ہوا کہ گویا خدا نے مومنوں کو مفت میں کامیابی دینے کا وعدہ کیا ہے' خواہ وہ کام کریں یا نہ کریں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ کامیابی کے لیے مسلمان کہلانا یا درود پڑھنا یا خانقاہوں میں بیٹھ کر دعائیں کرنا کافی ہے اور یہ کر دینے کے بعد خدا کا فرض ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

مسلمانو! مایوس نہ ہو

اس کاہلی' بے پروائی اور گمراہی کا نتیجہ دیکھیے کہ بے شمار بے ہتھیار مسلمان' معدودے چند ہتھیاروں والے فرنگیوں کے سامنے کھڑے ہونے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور جب کہیں فریقین کا سامنا ہوتا ہے تو مسلمان بھاگ جاتے ہیں۔ یہ چکر اسی طرح چل رہا ہے مسلمانوں کو اپنے آپ پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا اور وہ مایوسی کے عالم میں فرنگیوں کے نام ہی سے خوفزدہ ہونے لگے ہیں اور بعض جگہ تو خود ہی اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود مستسلم (اپنے آپ کو سپرد کرنے والا) بن کر خدا کا یہ فرمان بھول گئے ہیں۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران ۳: ۱۳۹'۱۴۰)

دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

مسلمان یہ حقیقت فراموش کر چکے ہیں کہ مومن کے قلب میں نا امیدی کا آنا کفر کے برابر ہے۔ فرمان خداوندی کے مطابق ان کے اسلاف کی تو عملی حالت یہ تھی:

اَلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَّقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ (آل عمران ۳: ۱۷۳)

جن سے لوگوں نے کہا کہ "تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں' ان سے ڈرو" تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور

انہوں نے جواب دیا کہ "ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے"۔

دولت اور زندگی صرف کرو

لیکن موجودہ حالت کیا ہے؟ موجودہ حالت یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے مسلمانوں سے ان مجاہدوں کے لیے جو کسی دشمن سے لڑ رہے ہوں' چندہ مانگا جاتا ہے تو بعض لوگوں کا جواب یہ ہوتا ہے' چندہ دینے سے کیا فائدہ' جب کہ دشمن بہرحال مسلمانوں پر غالب ہو گا۔

حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا یہ عقیدہ انہیں زیادہ کمزور اور دشمن کی طاقت کو زیادہ مضبوط کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے مجاہدین کی مالی امداد نہ کرنے میں' انہیں کوئی مالی فائدہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ اگر مسلمان مجاہدین مغلوب ہو گئے تو تمام مغلوب مسلمانوں کی دولت اغیار کے قبضے میں چلے جائے گی' وہ اپنی تجارت اور اقتصادیات میں بھی آزاد نہ رہیں گے' بلکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہو گا وہ دشمنوں کا مال ہو گا اور مسلمانوں کے پاس سوائے چند بوسیدہ ہڈیوں کے اور کچھ باقی نہ رہے گا بلکہ بعض حالتوں میں وہ اس درجہ مفلس اور قلاش ہو جائیں گے کہ ایک ایک لقمے کے لیے بھی دربدر پھریں گے اور بھوکے رہ کر سڑکوں پر جانیں دیں گے' جیسا کہ افریقہ اور ہندوستان میں اکثر ہوتا ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ ان ممالک میں جب کبھی قحط پڑتا ہے تو افریقی اور ہندوستانی ہزاروں کی تعداد میں مرجاتے ہیں لیکن کوئی انگریز نہیں مرتا' اس لیے کہ اجنبیوں نے ان ملکوں کی دولت پر اس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ اصلی باشندوں کے لیے غربت اور محتاجی کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی۔ ان حالات میں اگر آج کل کے مسلمان' اپنے مجاہد بھائیوں کی امداد کرنے سے قاصر ہو چکے ہیں تو اس کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ انہوں نے شروع شروع میں اپنے مجاہدین کو مالی امداد دینے میں کنجوسی سے کام لیا اور اس کی

پاداش میں اب وہ ذلیل و خوار ہونے کے علاوہ مفلس و قلاش بھی ہیں اور بھوکے بھی مر رہے ہیں۔ خدا کا قانون یاد رکھو کہ ہمیشہ غلامی کے ساتھ مفلسی ہوتی ہے اور آزادی کے ساتھ دولت مندی۔ ایک شاعر کے بہت عمدہ اشعار کا ترجمہ ہے:

"تم دولت کو دشمنوں کے لیے مت جمع کرو' کیونکہ اگر وہ غالب آ گئے تو وہ تم سے تمہاری زندگی اور تمہاری دولت دونوں چیزیں چھین لیں گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس دولت اور صحت سے جسے تم نے جمع کر رکھا ہے' تم کو کوئی فائدہ نہیں ہے اگر تمہاری ناک کٹ گئی۔ متنبی کہتا ہے:

فلا مجد فی الدنیا لمن قل ماله

ولا مال فی الدنیا لمن قل مجده

(دنیا میں نہ مال کے بغیر بزرگی ملتی ہے اور نہ بزرگی کے بغیر مال ملتا ہے)

افسوس ہے کہ مسلمان اپنی دولت اور زندگی کی بے جا حفاظت کر رہے ہیں اور اس لیے انہوں نے دولت کو ضائع کر دیا ہے اور اب ان کی حالت اس حدیث کے مطابق ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ:

> ایک وقت آئے گا جب کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی' جس طرح بھوکے آدمی کھانے کی رکاب پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا' کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہو گی؟ حضورؐ نے فرمایا' نہیں بلکہ تم بہت ہو گے مگر تمہاری حالت ایسی حالت ہو گی' جیسے کہ سیلاب کے اوپر گھاس پھوس ہوتا ہے۔ لوگوں نے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہو گا؟ ارشاد فرمایا کہ تم میں "وھن" پیدا ہو جائے گا۔ سوال کیا گیا کہ "وھن" سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا' دولت کی محبت اور موت کا خوف۔

بس یہی دونوں چیزیں مسلمانوں کے زوال اور بربادی کا موجب ہیں۔ وہ موت سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ ہی نہیں کرتے اور دولت سے اس قدر

محبت کرتے ہیں کہ شہید ہونے والوں کو بھی امداد نہیں دیتے۔ آج مسلمانوں کی تعداد کم نہیں ہے' لیکن اس عددی کثرت سے کیا حاصل' جب تک کہ کوئی جوہر ہی موجود نہ ہو؟ بہرحال حدیث نبویؐ کے مطابق مسلمانوں کی پستی اور زوال کا اصل موجب یہی دو چیزیں ہیں' زندگی کی محبت اور موت کا خوف اور ثابت شدہ بات یہ ہے کہ جو شخص دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ اس کے منافعوں اور لذتوں سے ضرور محروم رہ جاتا ہے اور جو زندگی کی حد سے زیادہ حفاظت کرتا ہے' وہ اپنے آپ کو کبھی مصیبتوں سے نہیں بچا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ زندگی' دولت اور دنیا کی تمام پسندیدہ چیزوں کو حکم خدا کے مقابلہ میں بے حقیقت چیز سمجھیں' کبھی نا امید نہ ہوں اور ہمیشہ صبر و ثبات سے کام لیں۔ آیت کے الفاظ دیکھیے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۶)

اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے' انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی' وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے ہی مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسے نہیں ہیں تو ان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا سے قرآن حکیم کے وعدوں کے ایفا کا مطالبہ کریں؟

آٹھواں' نواں سبب

الحاد پروری اور قدامت پسندی

اپنے قومی شعار پر قائم رہنا ہی اصل حیات ہے

اسلام کے تنزل کی وجوہات میں سے دو چیزیں اور ہیں' ایک تعصب اور تنگ نظری اور دوسرے مادہ پرستی اور الحاد۔ میری رائے ہے کہ جس طرح ملحد لوگ جو پرانے رسوم و عقائد کی بیخ کنی چاہتے ہیں' اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح متعصب اور تنگ نظر لوگ بھی جو پرانی لکیر کو پیٹنا چاہتے ہیں اور کسی بھی مفید اصلاح کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر جدید بات کا اختیار کرنا خواہ وہ کتنی بھی مفید ہو' موجب کفر ہے' اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انہی متعصب اور ملحد لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہوا ہے۔ مادہ پرست اور الحاد پرور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ مسلمانوں اور مشرقیوں کو فرنگیوں کے ساتھ اس طرح ملا دینا چاہتے ہیں کہ اس ملاپ کے بعد مسلمانوں کا اپنا کوئی قومی امتیاز باقی نہ رہ جائے اور وہ فرنگی تمدن میں جزو کیمیاوی کی طرح تحلیل ہو کر رہ جائیں اور فرنگیت کے سوا ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ سکے۔ یہ کوشش ان کی طرف سے عمل میں آ رہی ہے جو یورپین تہذیب سے شکست کھانے کے بعد معترف ہیں کہ ان کے بزرگ اور وہ خود' پست اور ذلیل ہیں۔ وہ ذلت سے نکلنے کے لیے اپنے حسب و نسب' تہذیب اور رسوم سے صاف طور پر انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قانون فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قوم اپنے خاص رسوم' لباس' آداب' عقائد' کھانے' پینے اور رہنے سہنے کے طریقے پر قائم رہے اور اپنے ماحول کے مطابق قدرتی زندگی بسر کرے۔

اقوام یورپ کی زندگی اور آزادی کا راز

اگر ہم فرنگیوں کی حالت دیکھیں جو دنیا کے لیے اعلیٰ نمونے سمجھے جاتے ہیں تو معلوم ہو گا ہر انگریز، انگریز رہنے پر مصر ہے، ہر فرانسیسی، فرانسیسی رہنا چاہتا ہے، ہر جرمن، جرمن بنے رہنے پر قانع ہے اور یہی حال اٹلی اور روس وغیرہ کا ہے۔ اگر ہم آئرلینڈ والوں کو دیکھیں جو انگلینڈ کے ہمسایہ میں ایک چھوٹی سی قوم ہے اور جس کی زبان اور قومی عادات و رسوم انگریزوں سے جداگانہ ہیں۔ انگریز سات سو سال تک اس قوم کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس قوم نے اپنی قومی خصوصیات نہ چھوڑیں اور اب اسی بنا پر یہ چھوٹی سی آئرش قوم، انگریزوں جیسی قوم کا مقابلہ کر کے آزاد ہو گئی ہے، فرانس کے شمال میں برتیونی قوم نے فرانسیسیوں کے ساتھ ملنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اپنی خودمختاری کی حفاظت کر رہی ہے۔ اسی طرح فرانس کے جنوب میں باشکنس نامی ایک قوم پائی جاتی ہے جو زمانہ قدیم سے لے کر اب تک کسی قوم میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس کی تعداد دو لاکھ ہے اور دو قوطیوں، عربوں، ہسپانویوں اور فرانسیسیوں کی ماتحتی کے باوجود کسی قوم میں جذب نہیں ہوئی۔ یہ لوگ آج تک اپنی خاص زبان بولتے ہیں اور اپنی خاص رسوم و عادات پر قائم ہیں۔

بیلجیم میں ایک چھوٹی سی قوم فلمنک کے نام سے موسوم ہے جس کی زبان فرانسیسی نہیں ہے۔ حالانکہ بیلجیم کی زبان فرانسیسی ہے اس قوم نے فرانسیسی زبان کو اپنے اسکولوں میں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ حکومت بیلجیم کو فلمنک زبان کو سرکاری طور پر قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

سوئٹزرلینڈ میں تین قومیں، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی آباد ہیں۔ جرمنوں کی آبادی اٹھائیس لاکھ ہے، فرانسیسیوں کی آٹھ لاکھ اور اطالویوں کی دو لاکھ سے کچھ زیادہ۔ باوجود یہ کہ یہ تینوں قومیں ایک ہی حکومت کی رعایا ہیں اور ان سب کی

مصلحت ایک ہی ہے تاہم ان میں سے ہر ایک اپنی زبان پر قائم ہے اور اپنی قومی خصوصیات کی حفاظت کر رہی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ڈنمارک، اسکینڈے نیویا اور ہالینڈ گویا جرمنی درخت کی شاخیں ہیں، لیکن وہ جرمنی میں جذب ہوجانے کو قبول نہیں کرتے۔ چیک والے کئی صدیوں تک جرمنوں کے ماتحت رہے، لیکن چیک ہی رہے، جرمن نہ ہوئے۔ چنانچہ یہ لوگ پورے پانچ سو سال تک اپنی قومیت اور زبان کی حفاظت کرنے کے بعد اب جنگ عظیم کے نتیجہ میں خودمختار ہو چکے ہیں۔ اسی طرح جرمنوں نے مجریوں کو تعلیم دی، ترقی دی، لیکن انہیں اپنے آپ میں شامل نہ کر سکے۔

روسی لوگ دو سو سال تک کوشش کرتے رہے کہ پولینڈ والوں کو اپنے آپ میں شامل کر لیں اور ان کی زبان کو مٹا دیں۔ باوجود اس کے کہ ان دونوں قوموں کی اصل ایک ہے، روسیوں کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ اب جنگ عظیم کے بعد پولینڈ نے اپنی سیاسی خودمختاری بھی حاصل کر لی ہے، اس لیے کہ قومیت کے لحاظ سے اس نے روسیوں کی غلامی کو قبول نہ کیا تھا۔

اگر ایک طرف پولینڈ والوں کو جن کی آبادی تین کروڑ ہے، خودمختاری حاصل ہوجاتی ہے تو دوسری طرف استونیوں کو بھی جن کی آبادی بیس لاکھ ہے، آزادی نصیب ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے ہمیشہ اپنے قومی امتیازات کو زندہ اور قائم رکھا۔ اب یہ لوگ روس سے الگ ہو کر خودمختار ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی زبان کو زندہ کیا ہے اور اس کے لیے حروف ابجد بھی ایجاد کیے ہیں۔ یہی حال فن لینڈ والوں کا ہے۔

روسیوں نے لتوانیوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی بہت کوششیں کیں مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ چونکہ ان کے قومی امتیازات زندہ تھے اسی لیے اب جنگ عظیم کے بعد، یہ قوم آزاد اور خودمختار ہو گئی اور روس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہا، حالانکہ اس قوم کی آباد صرف بیس لاکھ ہے، تاہم یہ لوگ بھی روس کے پنجے سے آزاد ہو کر اپنی مستقل قومی جمہوریت کے تابع ہیں۔ ان مثالوں سے ثابت ہو گیا کہ

قومی آزادی صرف انہی قوموں کو حاصل ہوئی اور حاصل ہوتی رہے گی جو اپنی تمام قومی خصوصیات (لباس، زبان، طعام، عقائد، رسوم) پر بہرحال قائم رہیں۔ یورپی اقوام کی آزادی کا یہی راز ہے۔ روس سے زیادہ زبردست حکومت اور کون ہو گی؟ مگر وہ بھی کئی چھوٹی چھوٹی قوموں کو اپنے آپ میں شامل کرنے میں ناکام رہا۔ اسی طرح جرمن بھی ناکام رہے اور اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ یورپ میں کوئی بھی زندہ قوم ایسی نہیں ہے (خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو) جو اپنی جداگانہ قومیت کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے۔ جن قوموں نے اپنی قومیت کی حفاظت کی آخر کار ان کی یہی محفوظ قومیت ان کی آزادی کا سنگ بنیاد بن جاتی ہے، اس کی تازہ ترین مثال کرواتی ہیں جو دو بڑی قوموں کے درمیان رہتے ہیں اور اپنی قومیت کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اسی طرح ترکوں نے کئی صدیوں تک سربوں پر حکومت کی ہے مگر ان کی قومیت اور جداگانہ ہستی پر غالب نہیں آ سکے۔ البانی لوگ عرصہ دراز سے یونانیوں اور سلادیوں کے درمیان رہتے ہیں مگر وہ ابھی تک پورے کے پورے البانوی ہیں۔ اسی طرح بلغاری لوگ، روم، سلاد اور لاطین کی تین قوموں کے درمیان رہتے ہیں، ترکوں کے ماتحت بھی رہے اور ان کی زبان بھی سیکھی لیکن انہوں نے اپنی قومی تہذیب اور قومی خصائص کو نہیں مٹنے دیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ سب قومیں یکے بعد دیگرے آزاد ہو چکی ہیں۔

میں نے اس وقت جس قدر بھی مثالیں دی ہیں، وہ یورپ کے اندر سے تلاش کرکے دی ہیں۔ میں نے یورپ کے باہر اس لیے نکلنا نہیں چاہا تاکہ ہمارے روشن خیال، مغرب زدہ اور الحاد پسند لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم گری ہوئی قوموں کی مثال کی پیروی نہیں چاہتے لیکن اب وہ یہ اعتراض نہیں کر سکتے، کیوں کہ یورپ کی مثالیں ان لوگوں کی مثالیں ہیں جو تعلیم یافتہ ہیں، متمدن ہیں، خوبصورت شہروں میں آباد ہیں اور یونیورسٹیوں، لائبریریوں، تعلیمی سوسائٹیوں، فوجوں اور جنگوں کے ماہر ہیں۔

اہل جاپان کی مثال

اب میں یورپ سے نکل کر جاپان کا رخ کرتا ہوں' کیونکہ جاپانیوں کی ترقی' فرنگیوں کی ترقی سے کسی طرح کم نہیں ہے اور اس ترقی کے باوجود انہوں نے فرنگیوں ہی کی طرح اپنی قومیت' زبان' رسم و رواج' دین اور عادات کی بھی پوری حفاظت کی ہے۔ جاپان کی صورتحال کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل مقالہ ملاحظہ فرمائیے جو ایک یورپی نامہ نگار نے جاپان سے بھیجا ہے اور جنیوا کے اخبار (جرنان دو جنیو) کی ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ نامہ نگار لکھتا ہے:

"جاپانیوں کا فنون لطیفہ کی طرف بہت رجحان ہے اور اگر آپ جاپانیوں کو دولت کمانے میں مصروف دیکھتے ہیں تو وہ اس دولت کو محض اپنی ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کماتے ہیں' جن کا تعلق حسن و جمال کی قدر دانی سے وابستہ ہے' فنون لطیفہ کی محبت کے علاوہ اہل جاپان کے دل میں قومی محبت کا نہایت ہی گہرا نقش موجود ہے۔ انہیں ناز ہے کہ انہوں نے صرف چند ہی سال کے اندر اندر کئی پراگندہ حکومتوں کے بجائے ایک نہایت منظم حکومت قائم کر دی ہے جاپان کے اس سیاسی انقلاب میں ان کے مذہب کا برابر اثر موجود ہے"۔

قارئین کرام' آخری الفاظ پر غور فرمائیں کہ "جاپان کے سیاسی انقلاب میں مذہب کا اثر موجود ہے"۔ حالانکہ اہل جاپان کا مذہب حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے' بجز اس کے کہ باپ دادا کے چھوڑے ہوئے رسوم اور عادات کی پیروی کی جائے اس کے باوجود آج کل کے جاپانی جو نئی تہذیب کے تمام ساز و سامان سے آراستہ ہیں' نہ تو اپنے ماضی کو بھولتے ہیں اور نہ اپنی قومیت کو ترک کر کے اہل مغرب کی آواز کو سنتے ہیں وہ مغربیوں سے صرف وہی چیزیں لیتے ہیں جن کی امداد سے وہ اہل مغرب سے جنگ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو سکیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مشرق کی حالیہ تاریخ میں یہ واحد مثال ہے۔

اس کے بعد نامہ نگار لکھتا ہے:

"پرانے زمانے میں جاپانیوں کو دور دراز ملکوں میں سیرو سیاحت کرنے سے سخت نفرت تھی اور وہ اپنے ملک میں اجنبیوں کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے' لیکن اس نئی ترقی کے بعد یہ سب باتیں ختم ہو گئی ہیں انہوں نے حیرت انگیز طریقہ سے گذشتہ زمانہ کی کوتاہی کی تلافی کر دی ہے اور ان کی اس جد و جہد کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کے باوجود جاپانی لوگ گذشتہ زمانہ کو اب تک عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' اس پر ناز کرتے ہیں اور وہ مغربی تہذیب کی محض انہی باتوں کو لیتے ہیں' جن کے بغیر گذارہ نہ ہو سکے' لیکن جن چیزوں کے بغیر گذر ہو سکے' ان کے بارے میں وہ کبھی سوچتے بھی نہیں۔ ہر جاپانی کو یہ خیال میں ہمیشہ خوش رکھتا ہے کہ وہ اپنی رسوم و تہذیب میں دوسروں سے بالا تر ہے"۔

"اب تک جاپانیوں کے ہاں شنتو اور زن کے بت خانہ کے ساتھ بدھوں کے بت بھی موجود ہیں اور وہ سب کے سب بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور آج بھی پرانے زمانے ہی کی طرح ان کی خدمت کی جاتی ہے اور ان پر اسی طرح ایمان اور عقیدہ رکھا جاتا ہے' جس طرح صدیوں پہلے رکھا جاتا تھا۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر جاپانیوں کو بالشوزم اور دیگر نقصان رساں خیالات سے کسی چیز نے محفوظ رکھا تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے رسم و رواج اور معبودوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"۔

چند سال ہوئے کہ مرکز الامازلیر نے فرانسیسی زبان میں جاپان کے متعلق ایک ایسی کتاب لکھی ہے جس کی یہاں کے تمام بڑے بڑے اخبارات نے بہت تعریف کی ہے۔ اس عالمانہ کتاب کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

"جب جاپانیوں نے ترقی کرنی چاہی تو انہوں نے یورپ و امریکہ سے وہ باتیں لیں جو ان کے اقتصادی' مالی' سیاسی' تہذیبی اور فوجی شعبوں وغیرہ کے لیے لازم تھیں۔ ان لوگوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کچھ چیزیں ہو بہو لے لیتے' کچھ کو اصلاح کر کے قبول کرتے اور کچھ چیزوں کو ترک کر دیتے۔ انہوں نے تمام شعبوں میں یہی طریقہ

اختیار کیا"۔

یہی مصنف جاپانیوں اور چینیوں کی لڑائی کے متعلق لکھتے ہیں:

"جاپانیوں کے چین پر غالب آ جانے سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ جاپانیوں نے جو کچھ مغربی علوم و فنون سے لیا' وہ بہت اعلیٰ تھا بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ایک مشرقی قوم نے اپنے عزم و ہمت کے ساتھ جو باتیں تہذیب مغرب سے اخذ کیں' اگرچہ وہ ان کی ترقی کے لیے تریاق کا حکم رکھتی تھیں تاہم ان باتوں کی وجہ سے اس نے اپنی آزادی' قومیت' رسم و رواج اور تہذیب وغیرہ کو ضائع نہیں کیا"۔

میں نے شاہ جاپان کی تاجپوشی پر ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں مختصراً" بتایا تھا کہ اہل جاپان کیونکر ایک مہینے تک خوشیاں مناتے رہے اور یہ کہ ان کے جلوس سب کے سب مذہبی تھے اور یہ کہ وہ میکاڈو صاحب کو سب سے بڑا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں کا بیٹا ہے۔ وہ دو ہزار سال کے مقدس غسل خانہ میں نہاتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے کیونکر دیوتاؤں کے ساتھ وہ چاول کھائے' جنہیں حکومت نے پنڈتوں کی زیر نگرانی بویا تھا اور یہ کہ ان کے جلوسوں میں چھ لاکھ جاپانی شامل تھے اور وہ سب کے سب میکاڈو صاحب کے دس ہزار سال تک زندہ رہنے کا نعرہ لگا رہے تھے۔

اگر قدیم تہذیب اور مذہبی عقائد پر قائم رہنا کسی قوم کو ترقی سے روکتا ہے' تو سوال پیدا ہو گا کہ جاپان ان دونوں چیزوں کے باوجود' کیونکر ترقی کی منزل پر پہنچ گیا؟

مذہب اور تعصب

ایک اور چیز بھی قابل غور ہے۔ میں پوچھتا ہوں' اگر پابندی مذہب کے باعث مسلمانوں کو متعصب اور تنگ نظر کہا جاتا ہے تو جاپانیوں کو کیوں متعصب نہیں کہا جاتا جب کہ وہ حیرت انگیز ترقی کرنے کے بعد بھی ایسے رسوم اور عقائد کی پابندی کر رہے

ہیں جو دو ہزار سال پرانے ہیں اور اپنے بادشاہوں کو دیوتا اور معبود خیال کرتے ہیں؟

پھر یہ بھی دیکھیے کہ شاہ برطانیہ اور شہنشاہ ہندوستان' جو چالیس کروڑ سفید' گندمی' سرخ اور سیاہ رنگ کے انسانوں پر حکومت کرتے ہیں اور گرجا کے امام اکبر سمجھے جاتے ہیں' ان کو کیوں متعصب نہیں کہا جاتا؟ اور ان کی قوم کو کیوں غیر مہذب نہیں کہا جاتا' جب کہ پارلیمنٹ کئی دفعہ بحث کرنے کے باوجود اب تک یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکی کہ روٹی اور شراب' پادری کی دعائیں پڑھ دینے سے سچ مچ مسیح کا گوشت اور خون بن جاتے ہیں یا نہیں؟

پھر ہم' یورپی اقوام کو جنہیں اپنی عیسائیت پر ناز ہے اور جو آپس میں سخت دشمنی کے باوجود عیسائیت کی خدمت اور اشاعت میں ہر وقت مستعد رہتی ہیں' کیوں متعصب نہیں کہتے ہیں' حالانکہ یہ لوگ جس مذہب کے قائل ہیں' وہ ۱۹ سو برس پہلے کا ہے اور اصلاح پسندوں کے نزدیک یہ زمانہ کافی قدیم ہے۔

اور اگر ہم یہودیوں کی تمام خوبیوں سے انکار بھی کر دیں تو ان کی عقلمندی اور جدوجہد سے انکار نہیں کر سکتے۔ تاہم یہ لوگ بھی آج سے کئی ہزار سال پہلے کی توریت پر فخر کر رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ آج کل تو ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بہت سے یہودی نوجوان اپنی عبرانی زبان کو جس کی کوئی بھی تاریخ موجود نہیں ہے' زندہ کرنے کی کوشش میں رات دن لگے ہوئے ہیں۔ پھر انہیں متعصب کیوں نہیں کہا جاتا؟☆

مشہور یہودی لیڈر وایزمن نے فرانسیسی روزنامہ "ماتن" کو انٹرویو دیتے ہوئے بڑے ناز و انداز سے یہ بیان دیا ہے کہ "آج کل کا فلسطین سب نبیوں کی باتوں میں باتیں کر رہا ہے"۔ "آج کل کے فلسطین" سے ان کا مطلب یہودیوں کا فلسطین ہے' جس میں یہودیوں نے اپنی زبان عبرانی کو عام کر کے اپنے بچوں کی تعلیمی زبان بنا دیا

☆ اب ان کی یہ کوششیں ثمر آور ہو چکی ہیں اور عبرانی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے اسرائیل میں رائج ہے۔ (مدون اردو)

ہے۔ کیا مسلمان سن رہے ہیں کہ دنیا میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ مہذب دنیا کا کیا حال ہے؟ ہاں! یہ ان لوگوں کا حال ہے جو دنیا میں علوم جدیدہ اور نئی تہذیب کے قبول کرنے میں سب سے آگے ہیں۔

ایسی مثالیں بہت ہیں اور ان کا اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کرنا ناممکن ہے' تاہم مختصراً" اتنا کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے سوا دنیا کی تمام قومیں اپنی قومیت' دین' رسم و رواج' عادات و اخلاق اور تمام قدیم موروثی باتوں کی حفاظت پر کمربستہ ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا حال دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے۔ انہیں جب کبھی کوئی مخلص مسلمان قرآن کریم کی طرف بلاتا ہے یا اسلامی عقائد' رسم و رواج' عربی زبان اور مشرقی زندگی پر قائم رہنے کے لیے کہتا ہے تو نئی روشنی کے مسلمان ان کے خلاف آوازیں اٹھاتے ہیں اور متعصب قرار دے کر یہ ارشاد فرمانے لگتے ہیں۔ "تم کس طرح ترقی کر سکتے ہو' جبکہ اس نئے زمانے میں پرانے زمانہ کی باتوں پر عمل کرنے کے درپے ہو؟"

ہمیں لوگوں کی عقل پر رونا آتا ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کی بہت سی قوموں نے ترقی کی ہے' وہ آگے بڑھ گئی ہیں' وہ آسمان پر اڑی جا رہی ہیں اور انہی ترقی یافتہ قوموں میں سے عیسائی آج تک انجیل اور گرجا پر' یہودی اپنی توریت اور تلمود پر اور جاپانی اپنے پت اور مقدس چاول پر قائم ہیں۔ لیکن یہ مغرب زدہ مسلمان جو غلام اور پس ماندہ ہیں' یہی کہے جا رہے ہیں کہ ہم کبھی ترقی نہیں کر سکتے' جب تک ہم اپنے قرآن' اپنے عقیدہ' قومی رسم و رواج' کھانے پہننے کے طریقوں کو نہ چھوڑ دیں اور اپنی قومی تاریخ سے علیحدہ نہ ہو جائیں۔ یہ عقلمندی ہے یا پاگل پن ہے؟۔

تنگ خیال قدامت پسندوں نے اسلام کو کیا نقصان پہنچایا؟

اب ہم قدامت پسندوں کے معاملہ پر بحث کریں گے۔ ہمارے نزدیک تنگ خیال لوگوں نے اسلام کو جو نقصانات پہنچائے' وہ ملحدوں کے نقصانات سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں' بدنیتی سے نہیں بلکہ

جہالت سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تنگ خیال قدامت پسندوں نے اسلام کے دشمنوں کا راستہ صاف کر دیا ہے اور انہیں یہ موقع دیا ہے کہ وہ اسلام پر یہ الزام لگائیں کہ اسلامی تعلیم ترقی کے منافی ہے۔ پھر اسی تنگ خیال جماعت نے مسلمانوں کو دنیا سے الگ کر کے اسلام کو محض آخرت کا دین بنا دیا ہے۔ حالانکہ اس دنیا میں اگر کوئی مذہب دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کا مذہب کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اسلام نے نہ ہندوؤں اور چینیوں کی طرح انسان کے تمام اعمال کو آخرت کے لیے بتایا ہے نہ عیسائیت اور انجیل کی طرح انسان کو اس دنیا کے مال و دولت سے اور مناصب سے نفرت کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ مادہ پرستوں کی طرح انسانی کوششوں کا منتہا صرف اس دنیا کو قرار دیا ہے۔ پھر انہی قدامت پسندوں نے سائنس' کیمیا اور فلسفہ جدیدہ وغیرہ کے خلاف اس لیے لڑائیاں کیں کہ یہ کافروں کے علوم ہیں اور اپنی اس جہالت کی وجہ سے مسلمانوں کو ان علوم کے فیضان سے محروم کر کے ان کے بازوؤں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ زمین اپنے خزانوں کو انہی کے سپرد کرتی ہے' جو سائنس کی امداد سے ان کی تلاش کریں اور اگر ہم ہر وقت صرف آخرت ہی کی باتیں کرتے ہیں تو زمین ہم سے یہ ضرور کہے گی جب تم آخرت ہی کو تلاش کرتے ہو تو آخرت کو جاؤ' میرے پاس تمہارے لیے کوئی چیز نہیں ہے' یہ علوم جدیدہ سے الگ رہنے ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو دیگر اقوام کا شکار بنا لیا ہے۔ ہم پستی میں گر رہے ہیں اور وہ ترقی کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ نہ صرف انہوں نے ہماری دنیا پر قبضہ کر لیا ہے' بلکہ وہ اپنے علوم کے ذریعے سے ہم کو ہمارے دین سے بھی متنفر کرنے کی طاقت کے مالک ہو گئے ہیں۔ حالانکہ خدا کی شریعت نہیں چاہتی کہ ایسا ہو خدا کا حکم تو یہ تھا :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور ۲۴:۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان

لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ ۲:۲۹)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاعراف ۷:۳۲)

اے نبیؐ، ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو، یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔

پھر اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہے:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص ۲۸:۷۷)

اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔

خدا نے مسلمانوں کو جو دعا سکھائی، وہ یہ ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ ۲:۲۰۱)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی۔

لیکن افسوس ہے کہ ہمارے قدامت پسند مسلمان بھائی اس امر سے بالکل بے خبر ہیں کہ ان کا صرف آخرت طلبی کا رویہ اسلام کو گرانے اور مسلمانوں کو دیگر اقوام میں ذلیل و خوار کرانے کا ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔

عمل و محنت کے متعلق قرآن حکیم کی تعلیم

ہمارے قدامت پسند بھائیوں نے مسلمانوں کو علوم جدیدہ سے دور رکھنے کی جو مہم شروع کی ہے' یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ملت اسلامیہ مفلس و قلاش ہو رہی ہے اور ایسے دشمنوں کی محتاج ہو چکی ہے جو نہ اس کی وفاداری کے قدر دان ہیں اور نہ سچائی سے آشنا ہیں۔ سب سے زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ جب یہ قدامت پسند بزرگ' مسلمانوں کی گری ہوئی حالت کو دیکھتے ہیں تو انہیں یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ خدا کی یہی مرضی تھی اور تمہاری تقدیر میں روز اول ہی سے تنگ دستی اور تکلیف لکھی جا چکی ہے۔ اس قسم کے خیالات کو ہوا دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ہر جگہ درویشوں اور گداگروں کا مخصوص فرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو اسلام کے جسم میں ایک عضو معطل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے انہی بیکار اور نکمے لوگوں کو دیکھ کر فرنگیوں کو یہ کہنے کی جرات ہوئی کہ "اسلام مسلمانوں کو عمل و محنت کا حکم نہیں دیتا اور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کام کرے یا نہ کرے' ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے"۔ حالانکہ قرآن مجید کے اوراق سعی و عمل اور جہاد و محنت کے احکام سے لبریز ہیں۔ اور ایسی بہت سی آیتیں موجود ہیں جو فرنگیوں کے اس خیال کی پرزور تردید کرتی ہیں اور جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ثواب و عذاب اور کامیابی اور ناکامی خود انسان کے عمل و کوشش پر منحصر ہے۔ آیات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ

(التوبہ ۹:۱۰۵)

اور اے نبیؐ ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم عمل کرو' اللہ اور اس کا رسول دیکھیں گے کہ تمہارا طرز عمل اب کیا رہتا ہے۔

(۲) وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ

(یونس ۱۰:۴۱)

اگر یہ تجھے جھٹلاتے ہیں تو کہہ دے کہ "میرا عمل میرے لیے

ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے۔

(۳) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد ۴۷:۳۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو۔

(۴) وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (محمد ۴۷:۳۵)

اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

دوسری جگہ فرمایا

(۵) وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا (الحجرات ۴۹:۱۴)

اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

(۶) نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ (هود ۱۱:۱۵)

ہم ان کی کارگزاری کا سارا پھل ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

(۷) وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (الحقاف ۴۶:۱۹)

تاکہ اللہ ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ ان کو دے۔ ان پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

(۸) اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ (آل عمران ۳:۱۹۵)

میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔

(۹) فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ (الزمر ۳۹:۷۴)

پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔

(۱۰) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷:۶۱)

ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

(۱۱) اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ

(فاطر ۳۵:۱۰)

اس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عمل صالح اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔

(۱۲) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل ۱۶:۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔ اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

(۱۳) وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ

(الزمر ۳۹:۷۰)

اور ہر متنفس کو جو کچھ بھی اس نے عمل کیا تھا اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

(۱۴) فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا (النحل ۱۶:۳۴)

ان کے کرتوتوں کی خرابیاں آخر کار ان کی دامن گیر ہو گئیں۔

(۱۵) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الکہف ۱۸:۴۹)

جوجوکچھ انہوں نے کیاتھاوہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا

(سبا ۳۴:۳۷)

جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے عمل کی دہری جزا ہے۔

(۱۷) وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الاحقاف ۴۶:۱۹)

دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے درجے ان کے اعمال کے لحاظ سے ہیں تاکہ اللہ ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ ان کو دے۔ ان پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔

(۱۸) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال ۹۹:۷، ۸)

پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

(۱۹) سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاعراف ۷:۱۸۰)

جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا بدلہ وہ پا کر رہیں گے۔

ان آیتوں کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں اور اس کے علاوہ بعض ایسی آیتیں ہیں جو ہماری موجودہ حالت کا پورا نقشہ کھینچتی ہیں مثلاً:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ

(الشوریٰ ۴۲:۳۰)

تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آل عمران ۳:۱۶۵)

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے۔ اے نبیؐ ان سے کہو یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔

قرآن پاک کی یہ آیت صحابہ کرامؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی جو ایمان' اخلاص اور تقویٰ میں تمام مسلمانوں سے بڑھ کر تھے۔ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ احد میں تیر اندازوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک گھاٹی پر کھڑے رہو اور مجاہدین کی حفاظت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پوری تاکید کی کہ وہ شکست یا فتح کسی بھی حالت میں اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں' لیکن جب کفار پسپا ہونے لگے تو ان تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی' اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھ گئے اس پر مشرکین نے ازسرنو حملہ کیا اور مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا اور رسول کریمؐ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا' اس پر اوپر کی آیت نازل ہوئی۔

قرآن پاک کی ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ دین اسلام عمل و محنت کا دین ہے نہ کہ محض قضا و تقدیر اور کاہلی کا' حقیقت یہ ہے کہ نہ تو گداگروں اور بیکاروں کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ خواہ ہم کام کریں یا نہ کریں' خدا ہمیں ضرور رزق دے گا اور نہ دشمنان اسلام کا یہ الزام درست ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو بے جا توکل اور تنگ خیالی کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ مصیبتوں کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ احکام اسلام سے غافل اور صحیح اسلامی روح سے نا آشنا ہیں۔ ورنہ اگر یہ باتیں جو اسلام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں' صحیح ہوتیں تو دین اسلام کے سب سے زیادہ سمجھنے اور عمل کرنے والے مسلمان' یعنی صحابہ کرامؓ کیونکر پچاس سال کے اندر اندر

نصف دنیا کو فتح کر لیتے؟

قرآنی توکل کا مفہوم

توکل کے مفہوم و معانی کے متعلق غلط فہمی پائی جاتی ہے اور عام مسلمان اسے بے کاری اور کاسہ گدائی لیے پھرنے کے مترادف سمجھتے ہیں' حالانکہ قرآن مجید نے اسے عمل و سعی اور جد وجہد کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ مطلب تو صرف یہ تھا کہ اگر جد و جہد کے ساتھ ساتھ خدا پر بھی بھروسہ ہو تو دنیا و آخرت میں اس سے بہت زیادہ فائدہ ہو گا لیکن اگر صرف اپنے نفس ہی پر بھروسہ کر لیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان کامرانی میں مغرور اور ناکامی میں مایوس ہو جائے گا۔ اسلام میں جس توکل کا ذکر ہے' وہ تو عقل اور فکر کے ساتھ کام کرنے کے بعد' خدا پر بھروسہ کرنا اور اس سے مدد مانگنا ہے تاکہ انسان کو یہ معلوم رہے کہ وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے کام کو سرانجام دینا اس کا اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم توکل کر کے نہ بیٹھ جائیں؟ فرمایا ؟"نہیں' بلکہ تم میں سے جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس سے وہی کام لیا جائے گا"۔

تعجب ہے کہ وہ فرنگی لوگ جو ہمیشہ اسلام کی طرف من گھڑت عقائد منسوب کرتے رہتے ہیں' کبھی بھی تکلیف کر کے انجیل کا مطالعہ نہیں کرتے اور توکل کے متعلق اس کے وہ احکام نہیں دیکھتے جو قرآن کریم کے احکام کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ ہیں۔ چنانچہ انجیل میں ہے: "تمہارے آسمانی باپ کے حکم کے بغیر تمہارا ایک بال تک نہیں گر سکتا" اسی طرح کے اور بھی بہت سے احکام ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہو گا' لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ انجیل کے ان احکام کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ کام کرنے کے دلدادہ فرنگی جو قضا و قدر ہی کے قائل نہیں ہیں' بہت ذوق و شوق سے انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں' اسے عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور قضا و

قدر کی آیتوں پر کبھی اعتراض نہیں کرتے۔

اس بحث سے میرا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی آیت کا خواہ قرآن میں ہوں یا انجیل میں، مطلب صرف اتنا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے، خدا تعالیٰ قبل از وقوع اس کا علم رکھتا ہے۔ ان احکام کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ انسان کام کاج چھوڑ دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے۔

اصل سوال کی طرف رجوع

ہم پھر تنگ خیال مسلمانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دشمنان اسلام کے لیے اسلام پر حملہ کرنے کا راستہ کھول دیا ہے اور انہیں اسلام کے خلاف مسلح کر دیا ہے چنانچہ اسلام کے دشمن انہی تنگ خیال اور متعصب مسلمانوں کے عقائد کو دیکھ کر یہ کہنے لگے ہیں کہ اسلام نہ موجودہ تمدن کے ساتھ چل سکتا ہے اور نہ مسلمان ترقی کر سکتا ہے۔ حالانکہ اصل بات صرف یہ ہے کہ تنگ خیال ملاؤں کے ذاتی عقائد اس نئی تہذیب اور تمدن کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتے، کیوں کہ وہ خود ترقی کے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں مگر اسلام ان کی اس ذہنیت اور خانہ ساز عقائد سے بالا تر ہے اور ہماری ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔

تقلید آباء اور قدامت پسندی کے متعلق قرآنی تعلیم

غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اسلام کا اصل منشاء یہ تھا کہ تمام پرانی اور بے فائدہ باتوں کو منسوخ کر کے مفید احکام جاری کیے جائیں اور حق بات بھی یہ ہے کہ وہ مذہب جس میں حضرت ابراہیمؑ جیسا اسوہ حیات موجود ہو، اس کی طرف تعصب اور تنگ خیالی کو منسوب کرنا ظلم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس مثال کا ذکر یوں آتا ہے:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝

قَالُوْا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الانبیاء ۲۱:۵۲۔۵۴)

یاد کرو وہ موقع جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو"؟ انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ اس نے کہا "تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"۔

دوسری جگہ اس طرح مذکور ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ○ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ○ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ○ (الشعراء ۲٦:۷۱۔۷۷)

انہوں نے جواب دیا "کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں لگے رہتے ہیں"۔ اس نے پوچھا "کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں"؟ انہوں نے جواب دیا "نہیں، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے"۔ اس پر ابراہیم نے کہا "کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجا لاتے رہے؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں، بجز ایک اللہ رب العالمین کے"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ○ قٰلَ اَوَلَوْ

جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ (الزخرف ۴۳:۲۳'۲۴)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔ ہر نبی نے ان سے پوچھا' کیا تم اسی ڈگر پر چلے جاؤ گے۔ خواہ میں تمہیں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟

ایک اور آیت بھی ملاحظہ فرمائیں:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ○

(البقرہ ۲:۱۷۰)

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ:

سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِىۡ كَانُوۡا عَلَيۡهَا قُلۡ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ۔ (البقرہ ۲:۱۴۲)

نادان لوگ ضرور کہیں گے۔ انہیں کیا ہوا کہ پہلے وہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے' اس سے یکایک پھر گئے؟ اے نبی' ان سے کہو: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

ان آیتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں جو یہ تعلیم دیتی ہیں کہ کسی چیز پر عمل کرنے کے لیے صرف اس کا قدیم ہونا کوئی سند نہیں۔ انسان کو فوائد اور مقصد پر نظر رکھنی چاہیے' نہ کہ قدامت اور تقلید پر۔

وہ لوگ جو اسلام کی تعلیم کو اچھی طرح سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں' ہر قسم کی مفید باتوں کو جو شریعت کے احکام کے خلاف نہ ہوں' بہت خوشی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اور جہاں تک میں دیکھتا ہوں' مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو مفید بھی ہو اور اسلام کے خلاف بھی ہو۔ اسلام کا اصل منشاء دنیا کی بہبودی اور لوگوں کی خیر و فلاح ہے کیا آپ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ علمائے نجد جو تمام مسلمانوں کی نسبت فرنگیوں کے عقائد سے بہت دور ہیں اور اختراعات جدیدہ کے مرکز سے بہت فاصلہ پر رہتے ہیں' جب ان سے سلطان ابن سعود نے وائرلیس' ٹیلی فون اور موٹر کے استعمال کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "کتاب و سنت میں کہیں ان کے استعمال کی ممانعت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ چیزیں مفید بھی ہیں' اس لیے انہیں استعمال کیا جانا چاہیے' اگر حکومت رعایا کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کی مفید چیزوں کو اپنے ملک میں رواج دے دے تو اس کا یہ اقدام ملک کی فلاح و بہبود کے لیے ہر لحاظ سے مفید ہو گا۔ خاص طور پر حاجیوں کے لیے' وہ کئی کئی راتوں اور دنوں کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بجائے صرف چند گھنٹوں میں اپنا سفر طے کر لیں گے"۔

یہاں یہ چیز بھی یاد رہے کہ صرف متعصب اور تنگ خیال مسلمانوں ہی نے نئی نئی ایجادات کے خلاف آواز نہیں اٹھائی' بلکہ مسلمانوں سے پیشتر عیسائی بھی کسی زمانہ میں ہر نئی ایجاد کے خلاف اس شدت سے آواز بلند کرتے تھے کہ ان کے ذکر سے آج بھی حیرت اور تعجب ہوتا ہے چنانچہ جب گلیلو نے زمین کے گول ہونے کا دعویٰ کیا تو تمام عیسائی دنیا نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اور آج بھی ایسے متعصب اور تنگ خیال عیسائیوں کی کمی نہیں ہے جو توریت و انجیل کے سوا تمام باتوں کو کفر سمجھتے ہیں۔ ابھی

دو ہی سال قبل کا واقعہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک پروفیسر کو ملازمت سے محض اس لیے علیحدہ کر دیا گیا اور اس پر مقدمہ چلایا گیا کہ وہ ڈارون کے مسئلہ ارتقاء کا قائل تھا' لیکن ان سب باتوں کے باوجود عیسائیوں میں علم و تحقیق کا راستہ بند نہیں ہوا۔ بہرحال کوئی صاحب غور و فکر مسلمان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ سائنس' ریاضی' فلکیات' طب کیمیا اور ارضیات وغیرہ علوم جو ایک حد تک بنی نوع انسان کے لیے مفید ثابت ہوئے ہیں' اگر براہ راست نہیں تو بالواسطہ طور پر دینی علوم ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب دنیا میں مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں اور علم و فضل کے حامل علمائے اسلام کی جماعتیں موجود تھیں ان وقتوں میں الازہر' الامری' الزیتونہ' قرطبہ' بغداد اور سمرقند وغیرہ میں علوم شریعہ کے علاوہ علوم طبعیہ (Physical sciences) کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا' بلکہ اس زمانے کے علماء علم حدیث کے علاوہ ریاضیات میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

دسواں سبب

اسلامی تہذیب اور مذہب سے بدگمانی

کیا مسلمانوں کے زوال کی وجہ اسلامی تہذیب ہے؟

بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام نے اپنی کوئی خاص مدنیت اور تہذیب قائم نہیں کی۔ ایسے مدعیوں کی دو قسمیں ہیں' ایک اسلام کے دشمن مشنری حضرات اور دوسرے ملحد۔ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے لوگوں کی کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کو اہل فرنگ کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ دوسری قسم کے لوگوں کا مدعا یہ ہے کہ اسلام میں الحاد کا بیج بویا جائے۔ اگرچہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مذہب کا تہذیب پر بڑا اثر ہوتا ہے' تاہم یہ اصول قابل تسلیم نہیں ہے کہ کسی مذہب کی سچائی کو قبول کرنے کے لیے اس کی تہذیب کو معیار مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں پر مذہب کا اثر بتدریج کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس سے ان کے اخلاق اور تہذیب میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور ساری کی ساری قوم زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ لیکن کسی قوم کے تنزل و انحطاط کا ذمہ دار مذہب نہیں ہوتا' بلکہ اس کا اصل سبب اخلاق جلیلہ کا فقدان ہوتا ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خارجی اثرات کی وجہ سے مذہبی تہذیب کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں' جس سے لازمی طور پر قوموں کی بربادی کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں بھی مذہب کا کوئی قصور نہیں ہوتا ان حالات میں مسلمانوں کی بربادی اور تنزل کا ذمہ دار ان کا مذہب نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اس کے برعکس اس کا سبب مذہب سے ناواقفیت اور احکام مذہب سے روگردانی اور بے پروائی ہے۔ چنانچہ اس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ جب تک مسلمان شریعت کے احکام پر عمل کرتے رہے' وہ عزت' طاقت اور دولت کے مالک رہے مگر

جب انہوں نے احکام شریعت سے غفلت کی تو وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔

ہمارا یہ مطلب یہ نہیں کہ اسلام کی کوئی خاص تہذیب نہ تھی بلکہ اسلام کی خاص تہذیب ایک ایسا مسلمہ امر ہے جو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ چنانچہ ہم اہل مغرب کے پاس' وہ جرمن ہوں یا فرانسیسی' انگریز ہوں یا اطالوی' اسلام کی تہذیب و تمدن کے متعلق اس قدر تصانیف دیکھتے ہیں جو حساب و شمار میں بھی نہیں آ سکتیں۔ پس اگر سنت اور شریعت کی بنیادوں پر اسلام کی کوئی خاص تہذیب نہ ہوتی تو علمائے یورپ جو ہمیشہ اسلام کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں' تہذیب اسلام کے متعلق بڑی بڑی جلدیں نہ لکھتے' اس کی تاریخ پر بحث نہ کرتے۔ اس کی تہذیب کا دوسرے مذاہب کی تہذیبوں کے ساتھ مقابلہ نہ کرتے اور اس کے بعض خاص اصولوں کی طرف توجہ نہ کرتے لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے متعلق خود یورپ کے اہل قلم نے اس قدر لٹریچر شائع کیا ہے کہ شاید اس پر کسی مزید اضافہ کی فی الحال کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔

اسلامی تہذیب کا جلوہ

اگر ہم چند قدم پیچھے ہٹ کر دیکھیں تو ہمیں وہ حیرت انگیز منظر دکھائی دے گا' جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ چنانچہ منصور' رشید اور مامون کے زمانہ میں بغداد کی آبادی ۲۵ لاکھ تھی اور یہ تہذیب و تمدن' دولت مندی اور خوشحالی کے لحاظ سے اس قدر مشہور تھا کہ اس سے قبل یا بعد کے زمانہ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسی زمانہ میں بصرہ کی آبادی پانچ لاکھ تھی اور اسی طرح دمشق' قاہرہ' حلب' سمرقند' اصفہان اور بہت سے اسلامی شہر' تہذیب و تمدن کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ افریقہ کے بڑے بڑے شہروں مثلاً" قیروان' فاس' تلمسان اور مراکش کی مثالیں آج کل کے یورپ میں بھی نہیں مل سکتیں۔ پھر شہر قرطبہ کا تصور کیجیے جسے "یورپ کی دلہن" کہنا بجا ہو گا۔ پندرہ لاکھ کی آبادی تھی۔ یہاں کی جامع مسجد کی وسعت کا اندازہ

اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے اندرونی حصہ میں پچاس ہزار اور صحن میں تیس ہزار لوگ آسانی سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جامع مسجدوں کے علاوہ باقی مسجدوں کی تعداد سات سو تھی۔

جب میں زہراء کے محل کو دیکھنے گیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی' گویا میں نے محل نہیں دیکھا' بلکہ ایک مکمل شہر دیکھا۔ اس کی لمبائی ۹ سو میٹر اور چوڑائی آٹھ سو میٹر تھی۔ اہل ہسپانیہ اس محل کو زہراء کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس سلسلے کے کھنڈرات کی کھدائی کرنے والے انجینئروں نے مجھ سے کہا کہ وہ امید کرتے ہیں کہ تمام کھدائی پچاس سال کے اندر ختم ہو گی۔

اگر ہم ان سب شہروں کو چھوڑ کر محض غرناطہ ہی کو لے لیں جو یورپ میں مسلمانوں کی سب سے چھوٹی سلطنت کا دارالخلافہ تھا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ پندرہویں صدی عیسوی تک یورپ میں اتنا عظیم الشان اور بارونق شہر کوئی نہ تھا۔ جس زمانہ میں ہسپانویوں نے اس شہر کو فتح کیا تھا' اس کی آبادی پچاس ہزار تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام یورپ میں ایک بھی ایسا شہر نہ ملتا تھا جو غرناطہ کی نصف آبادی ہی کے برابر ہوتا۔ پھر الحمراء کے عظیم الشان محل کی طرف توجہ کیجیے' اس کی تعریف میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تمام روئے زمین میں اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

ہم نے مسلمانوں کی تہذیب اور مدنیت کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچنے کی کوشش کی ہے اور اگر ہم تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کریں تو کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہو گی خود انگریز اہل قلم اس کے متعلق بے شمار کتابیں لکھ چکے ہیں۔ البتہ یہ امر باعث فخر ہے کہ اسلام کے کسی سخت سے سخت دشمن اور متعصب مورخ نے بھی اسلام کی بے مثال تہذیب سے انکار کرنے کی جرات نہیں کی۔

اسلامی تہذیب کے احسانات

ہاں' وہ اتنا ضرور کہتے آئے ہیں کہ اسلام نے کوئی تہذیب ایجاد نہیں کی بلکہ

پرانی تہذیب کو از سرنو زندہ کر دیا ہے اور مشرق کو مغرب سے ملا دیا ہے' لیکن یہ بات درست نہیں ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے صرف پرانے علوم کا ترجمہ ہی نہیں کیا' بلکہ وہ خود بہت سے علوم کے موجد ہیں اور بہت سی نئی چیزوں کی دریافت کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔

پھر یہ بھی تو ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی تہذیب نہیں جو دوسری تہذیبوں سے استفادہ نہ کرتی ہو اور اس کو درجہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کئی قوموں کی کوشش اور جد و جہد شامل نہ ہو اور اس کی ترقی کے لیے مختلف دماغوں اور عقلوں نے کام نہ کیا ہو۔

کیا اسلام کے حاسد یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام کے ظہور کے وقت مشرقی تہذیب گم ہو چکی تھی اور اسلام نے اسے نہ صرف از سرنو زندہ کیا بلکہ موتیوں کی طرح سیپیوں سے نکالا' اسے صاف کیا' اس پر اسلام کی مہر ثبت کی اور اسے قرآن شریف کے آداب سے مزین کر کے مشرق و مغرب میں پھیلایا۔ چنانچہ یہی وہ باتیں ہیں جن کا بعض مخلص علمائے فرنگ نے اقرار کیا ہے کہ اسلام کی تہذیب کسی دوسری قوم سے مستعار نہیں لی گئی' بلکہ یہ وہ تہذیب ہے جو قرآن کریم کے سرچشمہ سے نکلی اور توحید کے عقیدہ سے اس کی ترقی ہوئی۔ باقی رہیں وہ باتیں جو مسلمانوں نے دوسری قوموں سے لیں یا ان کی تصانیف کا ترجمہ کیا یا بعض جنگی فنون کو حاصل کیا تو اس سے اسلام کی تہذیب پر کوئی حرف نہیں آ سکتا' کیونکہ یہ ایک طبعی امر ہے کہ دنیا میں تمام انسان ایک دوسرے کی مدد سے اپنی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اگر سچ پوچھو تو علم کی حقیقی قدر و منزلت اسی میں ہے کہ انسان اس حدیث پر عمل کرے۔

الحکمہ ضالة المومن فحیث وجدھا فھوا حق بھا

حکمت و دانائی کی بات گویا مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے' وہ اسے جہاں بھی مل جائے' وہ اس کا حقدار ہے۔

اسلام کے کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ اسلام کو صرف پچاس سال کے اندر اندر دنیا میں وہ روحانی' عقلی اور مادی فتوحات ہوئیں جو اس سے پیشتر کی امتوں کو نصیب نہ تھیں' چنانچہ نپولین' سینٹ سیلن میں ہمیشہ حیرت کے ساتھ یہ کہا کرتا تھا کہ عربوں نے دنیا کو صرف پچاس سال میں فتح کیا ہے۔ اگر نپولین جیسی ہستی جس کی نظروں میں کوئی بڑی سے بڑی فتح بھی نہ سماتی تھی' عربوں کی فتوحات کو حیرت کے ساتھ یاد کرے تو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ عربوں نے دنیا میں کتنا عظیم الشان کام اور کتنی حیرت انگیز تہذیب چھوڑی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تقریباً" تین چار صدیوں تک دنیا پر اس خوبی و عزت کے ساتھ حکومت کی کہ روئے زمین کی کسی دوسری قوم نے ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن اس کے بعد آہستہ آہستہ اخلاق کی کمزوری' کم ہمتی' احکام الٰہی سے غفلت اور باہمی رقابت کی وجہ سے وہ دن بدن کمزور اور مغلوب ہونے لگے اور اگر قیسی اور یمانی قبیلے' سرداری اور عزت کے لیے آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے تو یقیناً" اہل عرب تمام یورپ کو فتح کر لیتے اور اسے بھی افریقہ کے شمالی حصہ کی طرح ایک عربی ملک بنا لیتے۔

اسلام' باعث زوال نہیں

معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جس قدر مصیبتیں آتی رہیں' وہ ان کے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ تھیں۔ وہ احکام شریعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مغلوب ہو گئے۔ جب تک وہ کتاب و سنت کی پیروی کرتے رہے' ترقی کرتے رہے اور دنیا کو فتح کرتے رہے' لیکن جب انہوں نے دین سے روگردانی کی اور قرآن کو محض پڑھنے اور گانے کے برابر سمجھ لیا تو وہ تنزل کا شکار ہو گئے اور دشمنوں نے ان پر قبضہ کر لیا' چونکہ مقابلہ کرنے سے فرق کا پتہ لگ سکتا ہے اس لیے ہم دیگر اقوام کی مثالیں دے کر اس چیز کو واضح کرتے ہیں۔

یونانی تاریخ کی مثال

عیسائیت سے قبل' یونانیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم نہیں تو کم از کم ترقی یافتہ قوموں میں سے ضرور تھے۔ ان میں بعض ایسے افراد پیدا ہوئے جو فلسفہ کے بانی اور علوم و فنون کے ماہر تھے۔ ان میں سے بعض ہستیاں آج بھی آسمان علم و فلسفہ پر ستاروں کی مانند چمک رہی ہیں۔ یونانیوں کی تہذیب اور ترقی محض علوم و فنون میں محصور نہیں بلکہ ان میں ہر قسم کی مایہ ناز ہستیاں موجود تھیں۔ چنانچہ اسکندر المقدونی ان عظیم و جلیل فاتحوں میں سے تھا جن کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ اس نے ملکوں کو فوجی طریق پر مسخر ہی نہیں کیا' بلکہ جہاں جہاں وہ جاتا تھا' اپنے ساتھ علوم و فنون کو بھی لے جاتا تھا' جس سے مغلوب قومیں سرسبز و شاداب ہو جاتی تھیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ اسکندریہ میں بطالسہ کی وہ سلطنت جو اپنے فلسفہ اور علوم میں شہرہ آفاق تھی' اسکندر ہی کی فتح کا نتیجہ تھی۔ القصہ یونانیوں کی تہذیب اور ترقی کوئی معمولی تہذیب نہ تھی' لیکن جب عیسائیت کا دور دورہ ہوا اور اہل یونان کچھ عرصہ کے بعد اس مذہب کو قبول کر کے عیسائی بن گئے تو وہ آہستہ آہستہ تنزل کا شکار ہونے لگے اور اپنی خوبیوں کو ضائع کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر کار اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن کر ایک صوبہ کے برابر رہ گئے۔ آج اگرچہ کئی صدیوں کے بعد عیسائی رہتے ہوئے بھی وہ پھر خودمختار ہو گئے ہیں' لیکن ان کی موجودہ سلطنت پرانی سلطنت کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔

کیا آپ یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یونانیوں کے تنزل کی وجہ عیسائیت تھی؟ جو لوگ مسلمانوں کے مذہب کو ان کے قومی تنزل کا موجب قرار دیتے ہیں' یہاں کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ یونانیوں کے تنزل کا سبب عیسائیت تھا۔

رومی تاریخ کی مثال

اہل یونان کے بعد ہم رومیوں کو لیتے ہیں۔ کسی زمانے میں وہ ایک عظیم اور منظم سلطنت کے مالک تھے اور دنیا کی کوئی قوم یا سلطنت ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی تھی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب انہوں نے شاہ قسطنطین کے زمانہ میں عیسائیت کو قبول کیا تو وہ بھی زوال پذیر ہو گئے اور ان کی سلطنت آہستہ آہستہ یورپ سے اور پھر ایشیا سے ختم ہو گئی یہاں تک کہ پندرہویں صدی تک ان کا نام و نشان تک مٹ گیا اگرچہ وہ بھی یونانیوں کی طرح ازسرنو زندہ ہو گئے۔ لیکن وہ سلطنت جو ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل گئی، پھر کبھی حاصل نہ ہو سکی۔

اس جگہ پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اہل روما کے زوال کا سبب عیسائیت تھا، بے شک کچھ لوگ یہی کہتے تھے کہ رومیوں کے زوال کی وجہ "عیسائیت" ہے، جیسا کہ وہ مسلمانوں کے زوال کو اسلام پر محمول کرتے ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ عیسائیت اختیار کر لینے کے بعد ان لوگوں میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مثلاً اخلاق فاضلہ کا فقدان، کم ہمتی، بدمعاشی اور بے حیائی وغیرہ اور ابن خلدون کے قول کے مطابق ان کی سلطنت بوڑھی ہو گئی تھی، نیز ان اندرونی خرابیوں کے علاوہ، بیرونی دشمنوں کے حملوں نے انہیں ہر لحاظ سے کمزور کر دیا تھا۔ ان حالات میں ان کا زوال لازمی امر تھا۔ اگر اس زمانے میں عیسائیت دنیا میں ظاہر نہ ہوتی، تو بھی ان کا تنزل ناگزیر تھا اور ان کا وہی انجام ہوتا جو عیسائیت کے قبول کرنے کے بعد ہوا۔

مذہب اسلام کی خدمات

ثابت ہوا کہ بعض تاریخ نویسوں کا یہ دعویٰ کہ یونانیوں اور رومیوں کی عظمت کا ضائع ہونا عیسائیت کی وجہ سے تھا، درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذہب کی تبدیلی سے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتا کہ قوموں کے چند رسم و رواج اور قوانین بدل

جاتے ہیں اور اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اس تبدیلی سے لوگ بالکل نیست و نابود ہو جائیں۔ کوئی انسان کتنا بھی غور کرے، کبھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اصلاح خلق کے لیے بت پرستی، عیسائیت سے بہتر ہے۔ یہ دعویٰ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ اسلام کے دشمن، اسلام پر حملہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اسلام سے پیشتر مشرقی قومیں بہت خوشحال اور آباد تھیں اور ان کی تہذیب بہت اعلیٰ تھی، لیکن اسلام نے آکر ان کی تہذیب کو مٹا دیا" حالانکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معاملہ اس کے برعکس نظر آئے گا اور معلوم ہو گا کہ اسلام سے پیشتر مشرقی تہذیب تقریباً" ناپید ہو چکی تھی، لیکن اسلام نے اسے ازسرنو زندہ کر کے اس کی بنیادیں وغیرہ قائم کر دیں، جس کے نتیجہ میں بغداد، بصرہ، سمرقند، بخارا، شام، مصر، قیروان اور قرطبہ جیسے بڑے بڑے شہر اور ملک آباد ہو گئے اور حق یہ ہے کہ دنیا میں مشرقی تہذیب کا جس قدر بھی اثر ہے، وہ صرف اسلام کی وجہ سے ہے جس نے مسلمانوں کو ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے میں تلوار دے کر ان ملکوں میں بھیجا جہاں پرانے زمانے کے کسی مشرقی کے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہاں تک پہنچا جا سکتا ہے۔

پس اس بارے میں نہ تو اسلام کا قصور ہے اور نہ قرآن کی کوتاہی، بلکہ مشرقی تہذیب کے ضائع ہونے کے صرف دو سبب ہیں۔

(۱) اسلامی ممالک پر صلیبیوں کے بیرونی حملے۔

(۲) منگولوں کی اندرونی یورشیں۔

ان دونوں فریقوں نے اسلام کی محنتوں کو اپنے وحشیانہ سلوک سے تباہ و برباد کر دیا اور اس کے بڑے بڑے ملکوں کی تہذیب کو اڑا کر رکھ دیا۔ علاوہ ازیں مسلمان بادشاہوں کی باہمی لڑائیاں، خواہشات نفسانی کی پیروی، گمراہی، قرآن کے احکام کی نافرمانی اور ترک اخلاق نے اسلام اور اسلامی تہذیب کو ایسے ایسے نقصانات پہنچائے ہیں جو بیرونی دشمن بھی نہیں پہنچا سکے۔ مشرقی تہذیب کو جس قدر نقصانات پہنچے ہیں، ان سب کا گناہ ان وحشی فرنگیوں اور منگولوں کے ساتھ ساتھ ان مسلمانوں کی گردنوں

پر بھی ہے، جنہوں نے قرآن کریم کے احکام کو پس پشت ڈال کر، اس کی آیتوں کو مفت بیچ ڈالا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ فرنگیوں نے عیسائیت کو کہیں تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدیوں میں جا کر قبول کیا۔ حتیٰ کہ یورپ کے مشرقی حصہ کے بعض باشندوں نے دسویں صدی میں عیسائیت کی طرف توجہ کی، لیکن یورپ کی وہ ترقی جو اسے علوم و فنون کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے، وہ تو محض چار صدیاں پہلے سے آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہے، گویا ان کی یہ ترقی قبول عیسائیت سے تقریباً" سات آٹھ سو، بلکہ ایک ہزار سال بعد شروع ہوتی ہے۔ اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ اس عرصہ سے پیشتر یورپ کے تمام باشندے تاریکی اور جہالت میں تھے، بلکہ ہمارا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس زمانے میں عربوں کی تہذیب ان سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور اکمل تھی اور اس بات کی گواہی لوئس برتران اور ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ مورخوں کے سوا، تمام فرنگی تاریخ نویسوں نے دی ہے۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ ایک مشہور و معروف انگریز فلاسفر مسٹر ویلز نے مشرقی تہذیب کے بارہ میں ایک تاریخ لکھی ہے اور وہ مشہور فرانسیسی تاریخ نویس موسیو گروسہ کی یہ گواہی بیان کرتے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں اہل مشرق فرنگیوں کے استاد تھے اور اس زمانہ کے فرنگی، اہل مشرق کی شاگردی کو اپنے لیے قابل فخر سمجھتے تھے۔

قدیم یورپ کا تنزل اور موجودہ ترقی کے اسباب

کیا ہم ان صاف اور صریح شہادتوں کے بعد بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یورپ کی ہزار سالہ گمراہی اور قرون وسطیٰ کی جہالت، محض عیسائیت کی وجہ سے ہے، ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ پروٹسٹنٹ عیسائی، مذہب ہی کو مجرم قرار دیتے ہیں اور مذہب سے ان کی مراد کیتھولک مذہب ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اہل یورپ نے اسی وقت ترقی کے میدان میں قدم رکھا، جب لوتھر اور کلفن نے پروٹسٹنٹ فرقہ کی بنیاد

رکھی لیکن والٹر اور اس کے ہم خیال ملحد فلاسفروں کی یہ رائے ہے کہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور یہ دونوں مذاہب انسان کو ترقی کرنے سے روکتے ہیں۔ چنانچہ جب والٹر کے سامنے لوتھر اور کلفن کا ذکر آیا تو اس نے کہا کہ یہ دونوں حضرت محمدؐ کے مقابلے میں ہیچ ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ ان دونوں نے اپنے ایجاد کردہ مذہب سے دنیا کی جس قدر اصلاح کی ہے' وہ حضرت محمدؐ کی اصلاح کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کے فرنگیوں کی جہالت اور ان کی ہزار سالہ گمراہی کی ذمہ دار عیسائیت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف عیسائیت نے یورپ کے وحشیوں کو کسی حد تک مہذب ہی بنایا ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاپانیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ ان میں بت پرست بھی ہیں اور بودھ بھی' طاوی بھی ہیں اور کنفیوشس کے مرید بھی۔ دو ہزار سال تک وہ گمنام رہے اور آخر کار پچاس سال کے اندر ہی اندر انہوں نے ایسی قابل قدر عزت' سلطنت اور ترقی حاصل کی جس میں ہر قوم کے لیے سبق اور بصیرت کا سامان موجود ہے۔ حالانکہ اہل جاپان بدستور بت پرست اور مشرک ہیں۔ اس حقیقت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو بت پرستی' جاپانیوں کی سابقہ جہالت اور گمنامی کا باعث تھی اور نہ ان کی سورج پرستی موجودہ ترقی کا باعث ہے' پھر یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ جاپانیوں نے روسیوں کو شکست دی' حالانکہ ان کی آبادی روسیوں کے نصف کے برابر ہے اور وہ بت پرست بھی پرلے درجے کے ہیں اور خود روسی عیسائی بھی متعصب عیسائی تھے۔ پھر ان حالات میں کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انجیل کی تعلیم روسیوں کی ذلت کا موجب ہے یا سورج دیوتاؤں کی عبادت سے جاپانیوں کو یہ ترقی اور عزت حاصل ہوئی ہے؟ صرف مذہب ہی نہیں' ترقی اور تنزل کے اور بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔

اس موقع پر ہم جاپانیوں کی ترقی اور تہذیب کے دلائل کو پیش کرنا نہیں چاہتے'

ورنہ ہم یہ ثابت کر دیتے کہ مقدس گھوڑے کے عقیدہ نے بھی' جس کے متعلق اہل جاپان کا خیال ہے کہ وہ خاص خدا کی سواری کے لیے مقرر ہے' جاپانیوں کو ترقی کرنے سے نہیں روکا اور نہ انہیں اپنی فطری ہمت اور عقلمندی سے فائدہ اٹھانے سے محروم کیا ہے؟ اگرچہ مختلف قوموں کی تاریخ میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں' لیکن ہم صرف مندرجہ بالا مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں ورنہ یہ بحث بہت طویل ہو سکتی ہے۔ اگر بعض عیسائیوں کی طرف سے ہمیں یہ طعنہ نہ دیا جاتا کہ مسلمانوں کی ذلت کی وجہ ان کا مذہب ہے اور یہ کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" تو ہم سرے سے اس موضوع پر قلم ہی نہ اٹھاتے۔

مراکش کے گورنر جنرل موسیو سان نے ایک فرانسیسی اخبار میں ایک آرٹیکل شائع کر کے مراکش کے تنزل کو "شب اسلام" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اگر بعض اسلامی ملکوں کے چند روزہ زوال کو "شب اسلام" کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے تو "شب عیسائیت" کا بھی تصور کرنا چاہیۓ' جس میں یورپ تقریباً ایک ہزار سال تک مبتلا رہا۔ فرمایۓ یہ "شب عیسائیت" کس قدر لمبی ہو گی؟

بہرحال یہ انصاف سے بعید ہے کہ مذہب کو کسی قوم کے زوال کا سبب قرار دیا جائے۔

قرآن حکیم اور ترغیب علم

اگر مسلمان ترقی کرنا چاہیں اور دوسری ترقی یافتہ اقوام کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہونا چاہیں تو ان کا مذہب (اسلام) ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی ہمت اور دانشمندی کو اور زیادہ بڑھاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اوراق' علم و حکمت کی ترغیب سے لبریز ہیں۔ ہم اس ضمن میں چند آیات قرآنی پیش کرتے ہیں:

(۱) هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

(الزمر ۳۹:۹)

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟

(۲) وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (آل عمران ۳:۷)

ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں۔

(۳) شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران ۳:۱۸)

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں۔

(۴) بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۲۹:۴۹)

دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے۔

(۵) يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ ۵۸:۱۱)

تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔

(۶) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ ۶۲:۲)

اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۷) يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ ۲:۲۶۹)

اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی۔
اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔

(۸) فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (النساء ۴:۵۴)

ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا۔

ایک جگہ خاص عربوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

(۹) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ ۶۲:۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا' جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے' ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

بعض مخالفین کا یہ دعویٰ ہے کہ جس علم کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے' وہ تو محض علم دین ہے اور ان ہی مخالفین میں سے مراکش کا ایک شخص سیکار نامی بھی ہے' اس نے اسلام کے خلاف کچھ کتابیں لکھی ہیں' چنانچہ وہ اپنے ایک رسالہ "مراکش الکاتولیکیہ" میں لکھتا ہے کہ جس علم کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے' وہ محض علم دین ہے 'اس سے کبھی بھی دوسرے علوم مراد نہیں ہیں اور مسلمانوں نے علم کے لفظ کو صرف اس لیے عام کیا ہے کہ دوسروں کو یہ دکھایا جا سکے کہ قرآن نے کس قدر علوم کی قدر کی ہے"۔ گویا کہ سیکار نے اس قسم کی بے ہودگیوں اور جہالت کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اسلام کو سوائے علم دین کے اور کسی علم سے دلچسپی نہیں ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص علم اور حکمت کی آیات کے علاوہ ان آیتوں پر ذرا سا بھی غور

کرے‘ جن میں زمین کی سیر و سیاحت کرنے کی ترغیب ہے تو وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ علم سے مراد محض علم دین نہیں‘ بلکہ تمام علوم ہیں۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں‘ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ عطف اور معطوف کی صورت میں ہر ایک چیز اپنی الگ حیثیت رکھی ہے اور دونوں سے مراد ایک ہی چیز نہیں ہوتی مثلاً و یعلمھم الکتب والحکمۃ کی آیت سے ظاہر ہے کہ حکمت اور چیز ہے اور کتاب دوسری چیز ہے۔ حکمت سے مراد وہ آیتیں نہیں ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں‘ بلکہ ان آیتوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں بعض آیتوں کے سباق و سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ علم سے مراد عام علوم ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ۝ وَ مِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (الفاطر ۳۵:۲۷)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے۔ اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید‘ سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس جگہ علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو مذکورہ بالا چیزوں یعنی پانی نباتات‘ پہاڑوں‘ رنگ برنگ کے جانوروں اور ان کے اسرار کا علم اور واقفیت رکھتے ہیں نہ کہ نماز اور روزہ کے عالم۔

یہاں یہ بھی یاد رکھیے کہ سیکار جس نے اسلام اور قرآن کی علم نوازی سے انکار کیا' خود دراصل کیا ہے اور اس کا اصل مقصد کیا ہے؟ یہ فرانسیسی شخص' شہر رباط میں دفتر امور اسلامیہ میں ملازم ہے اور افریقہ کے مسلمان بربریوں کو عیسائی بنانے کے سلسلہ میں موسیو لوئیس برنیو مدیر امور اسلامیہ' کرنل مارکو ڈائریکٹر آف پریس اور کرنل مارتومشیر امور اسلامیہ کو امداد دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرانسیسیوں نے اس قسم کے لوگوں کو اسلامی کاموں پر صرف اس لیے لگا رکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکے' وہ مراکش میں اسلام کی بنیادوں ہی کو ہلا دیں۔ لیکن افسوس تو ان مسلمانوں پر ہے جو ایسے لوگوں کے ہم نوا ہو جاتے ہیں؟

حامیان ترقی سے ایک سوال

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو تو قرآن کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم یورپ کی طرح قومی ترقی چاہتے ہیں نہ کہ دینی ترقی۔ ان اصحاب کی خدمت میں ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصود ترقی ہے۔ خواہ وہ ترقی قومی ہو یا دینی' لیکن جس چیز سے ہمیں خوف معلوم ہوتا ہے' وہ یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنی ترقی کی بنیادیں قرآنی تہذیب پر قائم نہ کیں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان' ملحد' نفس پرست اور گمراہ ہو جائیں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی ترقی کا نقصان اس کے فائدوں سے کہیں زیادہ ہو گا' کیونکہ جب تک علمی تربیت کے ساتھ ساتھ دینی تربیت اور راہنمائی نہ ہو گی' مسلمان کبھی ایک نقطے پر جمع نہ ہوں گے۔ پھر یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ یورپ کی ترقی میں محض قومی ترقی تھی اور اس میں دینی تربیت شامل نہ تھی۔ چنانچہ تیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ وزیراعظم جرمنی نے پارلیمنٹ میں لیکچر دیتے ہوئے کہا تھا کہ "ہماری ترقی عیسائیت پر مبنی ہے"۔ پس اگرچہ جرمنی جیسی حکومت جو علوم و فنون میں اپنی مثال آپ ہے' اعلان کرتی ہے کہ اس کی ترقی دینی ترقی پر مبنی ہے تو دوسروں کی کیا حالت ہو گی؟ نیز کیا جرمنی' برطانیہ یا

دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں کوئی ایسی بھی یونیورسٹی مل سکتی ہے جس میں دینی علوم کی تعلیم نہ دی جاتی ہو؟

پھر یورپ میں جو قومی ترقی' وطنی ترقی اور قومیت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو قوم و وطن سے ملک کی مٹی' پانی' درخت اور پتھر مراد نہیں ہوتے بلکہ ان سے مراد ایک خون کے لوگ ہیں اور قوم اور وطن کا ہمیشہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ قوم جو ایک ہی ملک میں رہتی ہو اور اس کی تاریخ' رسم و رواج' مذہبی عقائد اور اخلاق و عادات وغیرہ ایک ہوں اور یہی وہ چیز ہے جس کی حفاظت کے لیے وہ لڑ رہے ہیں۔

آخری بات

اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہوں تو انہیں جان و مال کے ساتھ پوری طرح جہاد کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ میں نے حصول علم کی بھی ترغیب دلائی ہے مگر اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ مغربی فلاسفروں کے نظریوں اور ایجادات کا علم حاصل کیا جائے۔ بے شک' یہ چیزیں مفید ہیں مگر علم حقیقی محض یہ ہے کہ نفس اور دولت کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ جب یہ بات کسی قوم میں پیدا ہو جائے گی تو وہ باقی علوم پر خودبخود حاوی ہو جائے گی۔ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے اس کا عالم ہونا ضروری نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حکیم الشرق سید جمال الدین افغانی نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب کسی جاہل شخص کا بیٹا بیمار پڑ جائے تو وہ فوراً" بہترین ڈاکٹر تلاش کرتا ہے۔ حالانکہ وہ علم طب سے بالکل بے بہرہ ہوتا ہے' اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ محمد علی امیر مصر' عالم نہ تھے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے مصر کو اس حد تک بیدار اور زندہ کر دیا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسے بڑے بڑے خوشحال اور معزز ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ محض ان کا عزم اور ترغیب علم و عمل کا نتیجہ تھا۔

اگر مسلمان ہمت سے کام لیں اور احکام قرآن کی پیروی کریں تو بے شک وہ

بھی علم اور ترقی کے لحاظ سے، فرنگیوں، امریکیوں اور جاپانیوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔
ہم میں کمی صرف اتنی ہے کہ ہم کام کچھ نہیں کرتے اور مایوسی اور نا امیدی میں
ڈوبے رہتے ہیں، اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم نا امیدی کو اپنے دلوں سے نکال دیں
اور اس یقین کے ساتھ کوشش کرتے رہیں کہ ہم اپنے کام، اپنی کوشش، اپنی ہمت
اور اپنی کتاب کے احکام پر عمل کرنے کے ذریعے سے ضرور اپنے مقصد تک پہنچ
جائیں گے۔ آخری نقطہ یہ ہے کہ ہم جان اور مال سے جہاد کریں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت ۲۹: ۶۹)

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے
دکھائیں گے، اور یقیناً" اللہ نیکو کاروں ہی کے ساتھ ہے۔